

# علاء مہر سیدیمان ندوی

فوجی

پہنچ نادر  
طلبات  
سنان کا  
مجموعہ



متاثبہ  
ڈالکھلہ نالا ناسیّہ سکان ندوی  
صاحبزادہ علاء مہر سیدیمان ندوی

مجالسِ شریات اسلام

۱۔ کے ۳۔ ناظم آباد میشن ناظم آباد گوجرانواہاڑہ 74600

# فہرست

نمبر شار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	عرض مرتب ڈاکٹر مولانا سید سلمان ندوی	۵
۲	اشتراکیت اور اسلام	۹
۳	رسول وحدت	۲۶
۴	ایمان	۵۹
۵	خدا کا آخری پیغام	۹۳
۶	سنت	۱۲۵
۷	عرب و امریکہ	۱۵۹
۸	سفر گجرات	۱۹۵
۹	تقریر مشرقی پاکستان	۲۱۶

# عرض مرتب

ڈاکٹر مولانا سید سلیمان ندوی صاحب

(ڈربن، جنوبی افریقہ)

(صاحبزادہ علامہ سید سلیمان ندوی)

مولانا فضل ربی ندوی صاحب مجلس نشریات اسلام کراچی اپنے علمی ذوق کی  
محیل کے لئے اپنے کاروبار تجارت کے علاوہ علمی کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کرتے  
ہیں۔ استاد مکرم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کی اشاعت ایک عرصہ  
سے کر رہے ہیں۔ اسی طرح والد ناجد حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی  
کتابوں کی اشاعت کا بھی اہتمام کرتے رہے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ اب وہ والد  
ناجد کے چند منتخب مضمایں کا ایک جمود «علامہ سید سلیمان ندوی» کے چند خطبات و رسائل کا جمعہ  
کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔

یہ مضمایں ایک عرصہ ہوا دارالصنفین اعظم گڑھ کے مجلہ معارف میں شائع  
ہوئے تھے، چونکہ یہ مضمایں موجودہ حالات کے تناظر میں اہمیت کے حامل ہیں اس لئے  
دوبارہ کچھ مرتب کر کے شائع کئے جا رہے ہیں۔ سنت کے موضوع پر یہ مضمون آج بھی  
ویسا ہی اہم ہے جیسا اس وقت تھا۔ اسی طرح امریکہ کی دریافت کے سلسلہ میں عام تصور

یہ ہے کہ کلبس نے دریافت کیا تھا۔ والد ماجد نے اس موضوع پر مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ عرب امریکہ کو کلبس سے پہلے دریافت کرچے تھے اور عرب ملاج امریکہ کی نئی ریاست سے واقع تھے۔

والد ماجد کا سفر گجرات تاریخی اہمیتوں کا حامل ہے۔ ہندوستان میں یہ اسلام کے تعارف و داخلہ کے سلسلہ میں ان کا سفر گجرات تاریخی حقائق کی ثابت کشانی اور شاندی کے تناظر میں اہم اور دلچسپ ہے۔

مغل پاکستان مجلس تاریخ (All Pakistan Historical Society) کا سالانہ اجتماع فروری ۱۹۵۳ء میں مشرقی پاکستان مرحوم کے دارالسلطنت ڈھاکہ میں منعقد ہوا تھا۔ اُس کا کلیدی خطبہ والد ماجد نے دیا تھا۔ اس خطبہ میں مشرقی پاکستان والوں کو بتایا گیا تھا کہ انگریزوں کی ہندوستان آمد کے وقت تک بنگالی کا رسم الخط فارسی و عربی تھا اور ساتھ ہی یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ پاکستان میں بھقی و اتحاد کے لئے اور پاکستان کی مختلف زبانوں کے بولنے والوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کے لئے بنگالی کا رسم الخط ہندی کے بجائے دوبارہ عربی کر دیا جائے۔ مثلاً سندھی کا رسم الخط عربی ہونے کے باعث اس زبان سے ناواقف حضرات بھی کچھ نہ کچھ انسیت رکھتے ہیں اور اس کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ بنگالی کا رسم الخط اگر عربی کر دیا جائے تو بنگالی زبان پر جو سکرت و ہندو تہذیب کا اثر ہے وہ ختم ہو کر اسلامی تہذیب و تمدن میں ڈھل جائے گی۔ اس خطبہ کے بعد مشرقی پاکستان کے اس وقت کے تناظر میں بنگالی زبان کے قوم پرستوں نے سخت احتجاج حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے خلاف کیا تھا اور اس مشورہ کو قبول نہیں کیا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے عناصر میں ایک عشر زبان کی اجنبیت بھی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مضمائیں کا دوبارہ مطالعہ کیا جائے تاکہ ان مختلف مسائل کا استحضار تاریخی حقائق کی روشنی میں ہو سکے۔

۷

اشنزائیت و اسلام کا موضوع آج بھی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ آج بھی اس نظریہ پر بحث چاری ہے۔ آج امت مسلم کا سب سے بڑا مرٹش ایمان و ایقان کی کمزوری ہے۔ ایمان کے موضوع پر مسلم یونیورسٹی میکٹر میں ان کی تقریر ایمان افروز ہے اور قابل توجہ ہے۔

مجلس نشریاتِ اسلام والد ماجدؒ کی کتابوں کے بھی ناشر ہیں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ ان کی اسی کتابیں جو اس وقت معقود الطبع ہیں۔ مجلس نشریاتِ اسلام ان کے دوبارہ اشاعت کا اہتمام کرے گی۔ علیہ توکلت والیہ الیب



سید سلمان ندوی

(کراچی پاکستان)

۱۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء



# اشتراكیت اور اسلام



## اشتراکیت

خطبہ مسنونہ کے بعد

حضرات آج شب کے لئے جو عنوان رکھا گیا ہے اس کے متعلق مجھے کچھ اظہار خیال کرنا ہے۔ یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ دنیا میں جماعتیں اور قومیں کسی خاص اصول پر بننے ہیں۔ اور وہ اصول زیادہ تر ذہنی۔ فکری اور نظری ہوتا ہے۔ مثلاً آپ دیکھیں گے کہ اس دنیا میں جو انسان آباد ہیں۔ ہر انسان علیحدہ علیحدہ ہے۔ ایک ملک کے انسانوں کا دوسرا ملک کے انسانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن جماعتوں اور قوموں کے لئے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ کوئی ایسا عقیدہ قائم کیا جائے کہ اس عقیدہ میں سب کے سب شریک ہوں۔ سب ملکوں کو وحدت میں بدل دیں۔ جب تک جماعتوں میں یہ نہ ہو کوئی بڑا کام انجام نہیں پاتا۔

کسی کو کوئی ملک فتح کرنا ہے۔ تو ایک ایک سپاہی کچھ نہیں کر سکتا ہے۔ سپاہیوں کی فوج بناتے ہیں اور سپاہیوں کی فوج بنانے کے لئے ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ حکومت کے قانون کے مطابق خیال کے مطابق نظریہ کے مطابق وحدت قائم کی جائے۔ اور پھر فوجوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ اور یہ نام اس لئے رکھے جاتے ہیں کہ مختلف افراد کے درمیان اشتراک پیدا ہو جائے۔ اس وقت دنیا میں مختلف قوموں کی مختلف فوجیں ہیں۔ اور ان کے علیحدہ علیحدہ نام ہیں۔ فوج کے سپاہیوں کی انفرادی حیثیت کو نکال کر جماعت کی شکل دیکھ رکھے جاتے ہیں۔

اسی طرح آپ دیکھیں گے کہ دنیا میں مختلف قومیں آباد ہیں ان کی سلطنتیں اور حکومتیں ہیں۔ لیکن جماعت کیلئے قومیت کیلئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک مطلب ہو۔ ایک غرض ہو۔ ایک عقیدہ ہو۔ جو ایک رشتہ میں باندھ کر ایک بنا دے۔ اور اسی اصول پر دنیا کی ساری قومیں عمل کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں

پاک قوم کو مغلوب فرمایا۔ ان پر اللہ کا غصب نازل ہوا۔

مفسرین نے اور خود قرآن پاک سے ثابت ہے کہ یہ قوم یہود تھی؟ جیسا کہ سورہ فاتحہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے غصب نازل کیا سورہ فاتحہ کو ہر شخص نماز میں پڑھتا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ لئے پروردگار ہم کو اس راستے پر چلا یہ جس پر چلنے والوں پر تیر النعام ہو۔ اس پر نہیں جس پر تیرا عذاب غصب نازل ہوا۔ یا جو گمراہ ہوئے جن پر عذاب نازل ہوا وہ یہود تھے۔ بنی اسرائیل تھے۔ حالانکہ یہ وہ گروہ ہے جس سے انبیاء پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے یہود کو مغضوب علیم فرمایا ہے۔ ان سے ہمیشہ کیلئے نو عیت ملت کی اور ولادت قبلہ چھین لی گئی۔ جس میں سینکڑوں انبیاء پیدا ہوئے۔ جن کو فضیلت عطا فرمائی تھی۔ انہیں کو مغضوب فرمایا۔

اس کی کیا وجہ تھی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اللہ کے احسان کی قدر نہیں کی تا فرمائی کی وہ کسی قسم کی ہدایت قبول کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ اور ان کے دل سخت ہو گئے۔

محمد صلعم کی بعثت تک کامانہ ہدایت اختیار کرنے کے لئے مہلت کامانہ تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل سے نبوت ولایت چھین لی گئی۔

بنی اسرائیل کے جائے بنی اسرائیل کو سپرد کی گئی، قرآن پاک میں ذکر آیا ہے محمد صلعم کی بعثت تک کامانہ آخری مہلت کامانہ تھا۔

گرامنوں نے ہدایت قبول نہیں کی۔ اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔

معراج کی رات محمد صلعم کی نبوت کا اعلان بیت المقدس میں ہوا کہ یہ آخری نبی ہیں۔ سارے انبیاء کی امامت حضور پر تمام ہوئی ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ حضور کی نبوت تک بنی اسرائیل کو ہدایت پکڑنے کے لئے مہلت دی گئی تھی۔ جس

کو انہوں نے کسی صورت سے بھی قبول نہیں کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے غصب نازل فرمایا۔ یہ غصب و عذاب اس قوم پر نازل فرمایا جس کو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ بہت فضیلت والی تھی (انی فضلتکم علی العالمین) جو سارے عالم پر فضیلت والی تھی۔

دنیا میں دو قسم کے لوگ ظاہر ہوئے ایک انبیاء ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ہدایت پا کر خلق کی رہنمائی کی دوسرا اگر وہ فلاسفروں کا ہے۔ جو مادی راستوں سے حلق تلاش کرتے ہیں۔ یہ دونوں گروہ دنیا میں ظاہر ہوئے۔ حکماء اور انبیاء۔ انبیاء تو اپنے روحانی فیوض و برکات کی وجہ سے انسانوں کی رہنمائی فرماتے ہیں اور وحی الہی سے رہنمائی فرماتے ہیں۔

اور حکماء اپنے غور و فکر کی وجہ سے دنیا کی رہبری کرنا چاہتے ہیں۔ آج دنیا میں اللہ کا جو نام باتی ہے تو وہ انبیاء کا فیض ہے۔ انبیاء کی ہدایت اور رہنمائی کا نتیجہ ہے۔ حکماء کا نتیجہ ہے۔

اکثر حکماء تو اللہ کے انکار کی طرف مائل ہیں مگر کوئی نبی ایسا نہیں ہے۔ جس نے اللہ کے سوا کسی کی دعوت دی ہو۔

انبیاء نے سیدھی راہ بتلادی اگر دنیا میں کیس راست گوئی ہے۔ حق پرستی ہے جھوٹ کے گناہ کا احساس ہے دیانت ہے۔ لانت ہے۔ چاہے وہ دنیا کے کسی حصہ میں ہو جنگل میں چاہے پہاڑ میں چاہے صحرائیں گاؤں میں شر میں تو یہ انبیاء کی وجہ سے ہے۔ یہ چیزیں حکماء کی وجہ سے نہیں آئیں۔ لیکن یہ وہ ہی تھے جنہوں نے سب سے پسلے انبیاء کے راستے کو چھوڑ کر نبوت کی تعلیم کو چھوڑ کر اپناراست تلاش کیا۔ اور یوہاں کے قلفیوں کے راستے کو اختیار کیا۔ خود بھی اختیار کیا۔ اور دوسری قوموں کو بھی اختیار کرنے کی تعلیم اور ترغیب دی۔ حضرت عیینی جوان بھی لے کر آئے تھے۔ اس کو

یہودیوں نے مٹانا چاہا اگرچہ ان کے پاس آزاد سلطنت نہ تھی۔  
معمولی سی سلطنت روم کے ماتحت تھی انہوں نے خبری کی کہ یہ ایسے ہیں۔  
ہنگامہ برپا کیا اور موجودہ انجیل کے مطابق انہوں نے حضرت عیسیٰ کو گرفتار کر لایا۔ ان کو  
چنانی کا مستحق قرار دلوالیا۔ مگر مجھے یہاں اس وقت اس سے حدث نہیں ہے۔

حضرت عیسیٰ توحید کی تعلیم کے لئے دنیا میں آئے تھے۔ تثیلیت وغیرہ غلط  
تھا۔ مگر ان کی تعلیم میں داخل نہ تھے۔ لیکن وہ یہودی تھے۔ جنہوں نے انجیل کو مٹایا  
موجودہ عیسائیت کی تشكیل کی۔ ان کا شیوه ہے۔ کہ اب دین حق کو اپنی نوعیت سے بر باد  
نہیں کر سکتے تو ساز شوق سے بر باد کر دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کا سب سے بڑا مخالف سندھ پال تھا۔ مشہور مقولہ ہے کہ  
عیسائی مذہب پال کی تعلیم و تلقین سے ہے۔ حضرت عیسیٰ کا آخری وقت تک مخالف  
رہا۔ لیکن حضرت عیسیٰ کے بعد اس نے دعویٰ کیا کہ میں جنگل میں سے آرہا تھا کہ ان کی  
روح اتری اور اس نے کماکہ اے پال اے پال کب تک مجھ کو تکلیف دو گے۔ اور ان کی  
طرف سے بولتا ہوں تثیلیت اس نے پھیلائی وہ اس سے خوش ہوا کہ اس نے حضرت  
عیسیٰ کے مذہب کو خراب کر دیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ محمد صلعم کے زمانہ میں یہودیوں  
نے ہر قسم کی کوششیں کیں لڑائیں کیں مقابلے کئے کہ اسلام کو منادیں لیکن اللہ نے  
ان کو ناکام کیا یہاں تک کہ خیر تک سے ان کی حکومت ختم ہو گئی۔ اور وہ اسلام کی  
ترقی کو نہیں روک سکے۔

حضرت عثمانؑ کے زمانہ میں عبد اللہ ابن سبانی یہودی ظاہر ہوا اور اس نے  
فتنه برپا کر دیا حضرت عثمانؑ کے خالفوں کو ایک مرکز پر جمع کیا اور وہ کامیاب ہو گیا اسی  
وجہ سے مسلمان آج تک دو فرقوں میں مٹے ہوئے ہیں۔ اسی کا سبب ہے۔ جو گروہ کہ  
انبیاء کے لئے تھا اور ان کی دعوت کے لئے تھا وہ اس کی تردید کے لئے وقف ہو گیا۔

یہود میں ایک شخص سامری نام نے مhydr اسونے کا بنا کر کے یہ ہمارا خدا ہے۔

مصر میں مhydr کی عبادت ہوتی تھی وہاں گئوں سالہ پرستی تھی۔ اس لئے سامری نے سونے کا بخدرہ اپنا کر کما کر یہ ہمارا خدا ہے۔ جب حضرت موسیٰ کوہ طور سے واپس آئے تو اس کو توڑ دیا۔ اس کے بعد محمد صلعم پر قرآن پاک نازل ہوا۔ اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا ہے کہ واشربیوفی قلوبہم العجل یعنی یہود کے دلوں میں اس ہی وجہ سے مhydr کی محبت دی گئی ہے، جس طرح ہندوستان میں ٹینے وغیرہ قسم کے بہت سی قومیں ہیں جو سودی کاروبار کرتی ہیں۔ اسی طرز سے یورپ میں وہاں کے کاروباری ٹینے یہودی ہیں۔ یہودیوں نے دنیا کے دولت روپے پیسہ کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا ہے۔ یہ قوم اپنے دماغی لحاظ سے بہت اونچی ہے۔ لیکن تعداد کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ اس لئے وہ چاہتی ہے کہ دنیا کے ہر ملک میں اپنی طاقت قائم کرے۔ اور وہ اپنی دولت کی وجہ سے دنیا کے ہر ملک میں چھا جاتی ہے ہر دی سے ہر دی سے سلطنت کو بقدر میں کر لیتی ہے۔ مختلف زبانوں کے اندر یہ بات ثابت ہو چکی ہے۔

جن لوگوں نے افسانے پر میں ہے جانتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے قرض کے بدالے میں مقروض کے جسم سے گوشت کالو مhydr اکاٹ لیا تھا۔ یہ میانی ہی اس افسانہ کا متصفح ہے، اپنی خصلت کو یہ خود خوب جانتے ہیں۔ یہ اپنی دولت کی وجہ سے ساری دنیا میں پھیلے مگر جب دوسری قوموں نے ان کی حرکتوں کو دیکھا اور سمجھا کہ ان سے چھا چڑھانا مشکل ہے تو وہ ان کو تباہ کرنے پر تسلیم ہیں۔

چھٹے زمانہ کا واقعہ ہے کہ جرمنی سے نکالے گئے۔ جرمنی نے کما کر انہوں نے غداری کی ہے۔ اتحادیوں کی فتح کے لئے اپنی قوت صرف کرتے ہیں۔ یہ ساری دنیا کو اپنی دولت کی وجہ سے زیر دست بناتے ہیں۔ جب انہوں نے فلسطین حاصل کیا تو

شاید یہ سمجھے کہ انسوں نے طاقت سے حاصل کیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ انسوں نے روپ یہ  
مجھا کر حاصل کیا۔ یورپ کی سلطنتیں ان کی مقویوض ہیں اس وجہ سے وہ مجبور ہیں کہ ان  
کی مدد کریں۔ امریکہ کی آزادی سے انسوں نے فائدہ اٹھایا کارخانہ داریاں قائم کیں۔  
اس زمانہ میں ان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ یہودیوں کے بغیر کوئی کاروبار کر  
سکیں۔

یورپ کی تاریخ جاننے والے جانتے ہیں کہ یورپ میں جو انقلاب پیدا ہوا۔  
اس کے ہمراہ یہودیت کا ہاتھ کام کرتا رہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ یہ سب ان کی سازشوں کا  
نتیجہ تھا۔ کیونکہ یہ انقلاب پسند واقع ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک انقلاب  
کے بعد شاید دوسرا انقلاب ہمارے لئے مفید ثابت ہو۔ زمانہ جنگ میں دنیا مصیبت میں  
پھٹلا ہوتی ہے۔ لیکن ان سے حکومتیں قرض لیتی ہیں تاکہ اپنے آپ کو کامیاب کر سکیں۔  
زمانہ اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ جو آدمی آج لاہور میں ہے وہ کل فرانس میں  
ہو سکتا ہے۔ جو فرانس میں ہے یا کہیں ہے ایک ہفتہ میں ساری دنیا میں جا سکتا ہے۔ دنیا  
کے سارے بڑے بڑے کاروبار یہودیوں کے ہاتھوں انجام پا رہے ہیں۔

اشٹرائیکٹ کیونزم جو ہے اس کا بانی مارکس یہودی تھا۔ وہی اس خیال کا بانی  
تھا۔ جمصوریت کا تخلیل بھی انسیں کی پیداوار ہے جس میں سارا معاملہ انتخاب کے ذریعہ  
سے ہوتا ہے۔

آپ ہیڈ ماسٹر صاحب کو راضی کر لیں۔ ڈائریکٹر تعلیمات کو راضی کر  
لیں۔ بھر صاحب کو راضی کر لیں بس لاکھوں آدمی آپ کو رائے دیں گے دوست دیں  
گے۔ اس کا تجربہ آپ کو لاہور کے انتخابات میں خود بھی ہوا ہو گا۔ کہ ایک کارخانہ  
دار کو راضی کر لینے سے کتنے ہزار مزدور آپ کو دوست دیتے ہیں۔ دوست دینے کے لئے  
آپ لاکھوں آدمیوں کو اس طرح تیار کر سکتے ہیں۔ اسی طرح وہاں ہے کہ ایک یہودی

کارخانہ دار کو راضی کر لینے سے بہت سا کام ہو جاتا ہے امریکہ، اندرن اور بڑی جگہوں میں یورپ میں یہودیوں کے بہت بڑے بڑے کارخانے اور کاروبار ہیں۔ کسی ایک فرم کو راضی کر لیجئے لاکھوں ووٹ مل جائیں گے بالآخر اور مالدار لوگوں کو قبضہ میں رکھا جائے تو پھر ووٹ لاکھوں کی تعداد میں حاصل ہو سکتے ہیں۔ پچھلے ایکشن میں امریکہ کے پریزیڈنٹ نے جو میں فیشو (منشور) شائع کیا تھا۔ اس کی ایک وفعہ یہ تھی کہ یہودیوں کے معاملات کی پوری طرح سے مدد کی جائے گی اور یہ آگرچہ یہود بہت تھوڑی تعداد میں ہیں۔ مگر ان کو راضی کرنے کے لئے امریکہ کا صدر منشور میں یقین دلار ہا ہے کہ ان کے معاملات میں ان کی مدد کی جائے گی۔ اس سے آپ کو معلوم ہوا کہ یہودیوں کا جال ساری دنیا میں مjhہا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ کے صدر کو بھی ان کو راضی رکھنے کی ضرورت ہے۔ جو لاد بھی حکومت کھلاتی ہے۔ یہ کو رائیت ہے۔ اس وقت دنیا میں تین قسم کی حکومتیں ہیں۔ بڑی حکومتیں عیساً یوں کی ہیں۔

یہ بڑی طاقتیں ہیں۔ ان کے بعد مسلمانوں کی حکومتیں ہیں۔ عیساً یوں کے دو حصے ہیں۔ ایک پروٹشن اور دوسرا کیتھولک اور یہ ملک اپنے آپ کو پروٹشن کرتے ہیں۔ یورپ کے مغربی ممالک کیتھولک ہیں جہاں کیونزم کا ذرور ہے۔ یہودی فلسطین کو اتنا بڑھانا چاہتے ہیں کہ سارے عرب کو ہضم کر لیں یہاں تک کہ حضورؐ کے زمانے میں جو خبر وغیرہ ان کے قبضہ سے اٹلا تھا۔ اس پر بھی قبضہ کر لیں۔

یہ تینوں حکومتیں نظریوں اور عقیدوں پر قائم ہیں۔ ظاہر ان حکومتوں کی بیادِ قومیت اور وطنیت پر ہے۔ مگر حقیقت میں قومیت پر نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اندر ایک غرکی وحدت ہے نظریہ کا اتحاد ہے۔ روس میں کیونزم کی وجہ کیا ہے۔ پسلے روس میں زار کی حکومت جو تھی وہ ترکستان سے لیکر فن لینڈ تک تھی۔ اس میں مختلف قومیں، سلیمانیہ، زبانیں، وہابیہ تھے زار کی حکومت ظلم و تم پر قائم تھی۔ ساری قوموں کو تلوار

کے زور سے ایک شہنشاہی کاغذ رہنا گیا تھا۔ روں کے رہنماؤ تھے۔ وہ اس بات کے خواہش مند تھے۔ کہ اس شہنشاہی کو زور و قوت کے جائے کسی عقیدہ فی بناء پر قائم کیا جائے۔ اس کے لئے ان کو مارکس کے اصول پسند آئے۔ انہوں نے ان کو قبول کیا حالانکہ وہاں مختلف زبان کے لوگ تھے۔ مختلف مذاہب تباہ تھے۔ تاہم اس نظریہ کی وحدت سے ان کے خواہش کے مطابق روی شہنشاہی، شہنشاہی بن کر قائم ہو گئی۔ اور ان کا یہ انقلاب 18-1917ء میں کامیاب ہو گیا۔ فوج نے لڑنے سے انکار کر دیا۔ رو سیوں نے اپنی قوموں کو تحد کر کے بودر شمشیر انقلاب پیدا کر دیا۔ اقصادی نظام کے ذریعہ انہوں نے اپنی تمام قوموں کو ایک رشتہ میں پرو دیا۔ بظاہر یہ ایک اقتصادی نظام زندگی ہے۔ مگر حقیقت میں یہ بھی ایک مذہب ہے۔ انہوں نے ہر قوم کو آزادی کرنے کی الگ الگ جسموریتیں قائم کیں۔ ہر ایک کی اپنی زبان ہر ایک کی اپنی تزدیب، اس طرح انہوں نے روی شہنشاہیت قائم کر دی اس طرح روی شہنشاہیت نے اپنے لئے نیا پیغام نیاراست پیدا کر لیا۔ روی شہنشاہی کی ایک انج زمین بھی باہر نہیں گئی۔ اور سب باشدہ بظاہر خوشی سے جمع ہو گئے۔ روی ترکستان سے کریمیا والوں کے سب روی پر چم کے نیچے جمع ہیں۔ وہاں دس بارہ سلطنتیں قائم ہیں وہ اپنی اپنی زبان کو استعمال کرتے ہیں۔ جو شخص چاہے نماز پڑھے جونہ چاہے نہ پڑھے۔ بظاہر کوئی گرفت نہیں کی گئی نمازیں قائم ہیں۔ مگر دعوت دین اور خدا پرستی کی تبلیغ اور دعوت کی اجازت نہیں ہے۔ انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو انگریزوں نے اختیار کیا تھا ان کے یہاں بھی ہماری طرح نوجوان پیدا ہو رہے ہیں مگر ظاہر ہے کہ وہ کس قسم کے ہوں گے۔ ہندوستان میں کاگرلیں نے وطنیت کا جذبہ پیش کیا۔ اس کی یہ مدح خوانی مختلف طریقوں سے ہو رہی ہے اس کی دعوت کئی کئی طرح سے ہو رہی ہے۔ حالات ایسے ہیں جس کی وجہ سے اس کی طرف توجہ ہو رہی ہے۔ کالجوں میں طلباء اور طالبات آزادی کی

راہ پر گامزن ہیں۔ ماسکو سے ہزاروں میل دور رہنے پر روس کی زندگی کے خواب دیکھتے ہیں۔ وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور دوسری طرف کیونٹ بھی ہتھ ہیں۔ حالانکہ مسلمان کو کیونٹ کہنا ایسا ہی ہے۔ جیسے یہودی مسلمان اور عیسائی مسلمان کیونکہ بالشوک صرف اقتصادی نظام نہیں ہے بلکہ وہ خود ایک مستقل مذہب ہے۔ اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ وہ ایک عقیدے میں مسلک ہیں۔ جیسے اسلام خدا کے نام پر مذہب ہے۔ یہ بے خدا کے مذہب ہیں۔ یعنی اللہ کے احکام کی، وحی کی، انبیاء کی فتنی کی جائے۔ مادی فلسہ کو فروغ دیا جائے جائے اس کے کہ خدا کی عبادت کی جائے۔ فلاسفوں کی عبادت کی جائے۔ سب سے بڑی چیز کھانا ہے پیش کی مارساری دنیا کو ہے انہوں نے منزل مقصود پیش کوہتا ہے۔ کیونکہ ہر انسان کو اس کی ضرورت ہے۔ انہوں نے بھی نعرہ لگایا ہے۔

اس کے مقابلہ میں سرمایہ دار قوموں نے سرمایہ دارانہ نعرہ لگایا ہے۔ ہم لوگ جو مشرقی ہیں۔ ان کے نعروں کا اعادہ کر رہے ہیں۔ ہمارے وزراء کی زبان سے بھی سنا ہو گا کہ ہم لوگوں کا معیار زندگی بڑھائیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو کھانے پینے کو ملے یہ بے جانے بوجھے رث لگائی جا رہی ہے یہ حقیقتاً جواب ہے۔ کیونشوں کے نعروں کا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکومت ہمارے کھانے پینے کا انتظام کرے گی۔ ہم تو سرمایہ داروں کے جوانی نعرے کی تقاضی کرتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہے کہ بغیر سوچے سمجھے کسی قول کو دہراویا جائے۔ سمجھے اپنے تین کی بات یاد آتی ہے کہ ایک دیوان میں پڑھا تھا شعرِ یاد نہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ جب انسان کا ایک کام ہو جائے تو پھر اس کی ضرورت پڑتی ہے ایک کے بعد دوسری پھر تیسرا چوتھا۔ اسی طرح انسان بتلاۓ غرض و مطلب ہو کر رہ جاتا ہے۔ میرے استاد نے وضاحت سے مطلب یہ بتایا تھا کہ تمہارے پاس سواری نہیں ہے۔ سواری کے لئے گھوڑا خرید لیا اب ایک چیز

کے بعد دوسری چیز کی ضرورت پیدا ہوئی کہ لئے گھاس کے لئے سائیں ہو۔

اسی طرح یہ ہے کہ آپ کا معیار زندگی بڑھایا جائے گا مگر آپ کو چائے بھی پلائی جائے گی پھر میز کری کی ضرورت پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ سلسلہ بڑھتا ہی رہے گا۔ انسان اگر یہ چاہے کہ ساری دنیا پا کر بھی وہ خاموش ہو جائے تو ممکن نہیں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔

معیار زندگی کو بڑھانے کے لئے آپ دیکھتے ہیں کہ مل والے اسڑاک کرتے ہیں۔

میں بھوپال میں تھا۔ مل کے مزدوروں نے اسڑاک کیا اور عوام سے چاہا کہ مدد کریں تو عوام نے کہا کہ ہم تمہاری مدد کر کے کیا کریں گے جو لمحہ ۴ آنے گز آج ملتا ہے وہ کل ساڑھے چار آنے بننے لگے گا۔

اگر آٹھ روپیے روز ملنے ہیں اور پھر سولہ ملنے لگیں تو بھی وہ اپنے بیوی پھوں کو لے جا کر نہ دیں گے بلکہ اب اگر ہفتہ میں دو مرتبہ سینما دیکھتے ہیں تو پھر چار مرتبہ دیکھنے لگیں گے اگر پہلے دس پیالی چائے روز پینتے تھے تو پھر ہیں پینے لگیں گے کھرنے جا کر نہیں دیں گے تجھ پر اس کا شاہد ہے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ یہ جو نظر لگایا جاتا ہے کہ بالشوک حکومت نے زمین کا مالک کاشکاروں کو بنا دیا ہے بالکل غلط ہے وہاں تو ایسا ہے کہ جتنا غلہ پیدا ہو وہ سب حکومت کا ہے۔ چاہے لوگ بھوکے مرنیں۔

اور ہمارے ہندوستانی اور پاکستانی نوجوان ہمیں سے بیٹھے ہوئے ”ارض ما سکو“ کو سلام بھیجتے ہیں۔

ایک کتاب جو انگریزی سے اردو میں ترجمہ ہو گئی ہے۔ اس کو لکھنے والا روسی

ہے۔ روکی سفارت خانہ کے ساتھ امریکہ بھیجا گیا ہے۔ وہاں جا کر وہ روکیوں کا ساتھ چھوڑ کر امریکی ہو گیا اور اس نے انگریزی میں کتاب لکھی ہے۔ اس کی کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاشنکاروں پر کتنا ظلم روس میں ہو رہا ہے وہاں یہ قاعدہ ہے کہ سارا اغلہ حکومت کے پاس جمع کیا جائے اور کسی کون دیا جائے ایک توہ بھی کم نہ ہو چاہے لوگ یہو کے مرتبے رہیں۔ اور حیرت انگریز قصہ میان کئے ہیں۔

اقبال رحمت اللہ علیہ شاعر اسلام سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے کلام کے اندر یہ چیزیں ہیں۔

سلطانی جہ سور کا آتا ہے زمان

جو نقشِ کمن تم کو نظر آئے مٹا دو

کیا یہی وہ اقبال ہیں جو اسلام کا گانا گاتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ بالشوکِ ازم کی تعریف میں قصائد لکھتے ہیں۔

انقلاب۔ اشتراکیت۔ کسان، مزدور، عرق پسینہ کا ذکر کرتے ہیں یہ نیا ادب

ہے۔

میں نے ایک مشاعرہ میں اس قسم کی بیان کیا تھا کہ آپ لوگ پرانے شاعروں پر تواعتر اض کرتے تھے کہ حسن و عشق گل و بلبل کی رث لگاتے ہیں تم نے نئے الفاظ گھر لئے ہیں۔ انقلاب، مزدور، کسان، مزدور کی لڑکی تم مزدوروں کی مدد نہیں کرتے بلکہ اپنی لیڈری چاہتے ہو۔ مسلمان حکومتوں میں اشتراکیت کا پر چار کیا جاتا ہے۔

ایک اخبار یہاں سے نکلتا ہے۔ کبھی کبھی پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے پسلے صفحہ پر تو کلمہ لا الہ الا الله ہوتا ہے۔ مگر دوسرے صفحہ پر بالشوک کا قصیدہ یہ کیا تضاد ہے جو اخباروں میں نظر آتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایمان تو مسلمان دوسری چیز پر

لائے ہیں۔ لیکن اخباروں کو پہنچنے کے لئے دوسرا طریقہ بھی اختیار کرتے ہیں۔

بالشوٹ نے اشتر اکی نظام اپنے پیٹ کور کھ کر بنایا ہے مارکس کی کتاب ان کا صحیفہ ہے۔ سرمایہ داروں نے اقوام متحده بنائی ہے۔ اتحادیوں کا منشور جو ہے۔ وہ ان کا صحیفہ ہے مگر عمل کے لئے نہ وہ عمل کرتے ہیں۔ نہ یہ کرتے ہیں لیکن آوازیں لگاتے ہیں۔ نفرے لگاتے ہیں مگر مسلمانوں کو دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ نہ ان کا کوئی نفر ہے نہ کوئی دعوت ہے۔ نہ صحیفہ ہے اسلامی ملکوں کا زیادہ حصہ اتحادیوں کے قبضہ میں ہے۔ انہوں نے اقوام متحده کے منشور پر بھی دستخط کر دیئے ہیں اور اسلام کا خواب بھی دیکھتے ہیں۔ چاہے اس میں مصر ہو۔ چاہے شام ہو چاہے انڈونیشیا ہو۔ ہندوستان ہو یا پاکستان ہو، ہر جگہ یہ تضاد ہے۔

میں نے انگریزی کا ایک اخبار پڑھا تھا۔ پاکستان آنے سے پہلے اس میں پاکستان کے متعلق لکھا تھا کہ پاکستان عجیب تذبذب میں بنتا ہے۔

ایک طرف تو وہ اسلامی دستور بنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف برٹش پارلیمنٹ کے طریقہ کی نقل کرنا چاہتا ہے۔ اور دونوں کو جمع کرنا اتنا مشکل ہے کہ اس سے عمدہ برائی ہونا ناممکن ہے اس سے معلوم ہوا کہ انگریز دماغ بھی اس تضاد پر غور کرتا ہے۔ مسلمانوں کی حکومتیں جو دنیا میں ہیں۔ اسی مائقوں میں بنتا ہیں۔

کیونکہ رعایا مسلمان ہے۔ اس نے اسلام کو نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن وزراء اور حکومت جمہوریت پر عقیدہ رکھتے ہیں دونوں کیلئے یہ ملغوبہ فکر کا باعث ہوا ہے۔ حالانکہ جس طرح بالشوٹ کیوں اور اتحادیوں نے اپنے اپنے الگ نظریے اور نظام قائم کر لئے ہیں اور اس میں یہ نہیں دیکھا کہ یہ کس کے خلاف اور کس کے موافق ہے۔ اسلامی حکومتیں بھی اس طرح کامیاب ہو سکتی ہیں کہ بغیر یہ سوچے ہوئے کہ دوسرے کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اپنا وہ نظام ہدایت جو محمد صلیم نے پیش کیا ہے اس کو قبول کریں اور

پوری طرح سے عمل کریں۔

بائشونک نے فرانس کو خوش کرنے کی کوشش نہیں کی اتحادی اقوام نے مشورہ بنا لیا تو انہوں نے یہ کوشش نہیں کی کہ اس سے بائشونک خوش ہو جائیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کے نظر یئے کو خوش نہیں کر سکتا۔ جب تک ہم تضاد کی زندگی سے باہر نہیں آجائیں گے۔ ہم اپنے نظام کو اپنی ملت کے مطابق نہیں بنائے کتے۔

حضرات آپ سب کو معلوم ہے کہ اسلام کی جیاد حکم پر ہے۔ اور اس وقت دنیا کی ہر چیز انقلاب پذیر ہے تغیر پذیر ہے۔ دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جہاں تغیرت ہو رہا ہو۔

بائشونک نے پیٹ کو قبلہ بنا لیا ہے یہ بھی بدل سکتا ہے کہ ہم نے جتنا پیٹ پیٹ پکارا۔ تماہی دنیا کا حال خراب ہو رہا ہے۔

بائشونکوں نے پیٹ کی پکار شروع کی تو دنیا میں غلہ کا کال پڑ گیا۔ ہر جگہ غذا کی وزار تین قائم کی گئیں۔ یورپ کی قوموں کی تواریخ کو ایشیاء کی تاریخ کو مصر و یونان اور مسلمانوں کی تواریخ کو پڑھ ڈالو گئیں وزیر غذا کا پلے پتہ نہیں ٹھے گا دنیا نے پیٹ پیٹ پکارا اور جو عقیدہ پیٹ کا رکھتے تھے وہ سب اس میں بنتا ہو گئے۔ غلہ دنیا سے کم ہوتا جا رہا ہے ساری دنیا پر پیٹ چھا گیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے آپ کو رازق کیا ہے۔ لیکن آج کا فلسفہ یہ ہے کہ حکومت کے ہاتھوں میں رزق ہے (و مامن دابة فی الارض الا علی اللہ رزقہا کی جگہ علی المکرمہ رزقہا) کی پکار ہے۔

ہندوستان کے غلہ کی حالت آپ کو معلوم ہے اور انگریز کے زمانہ میں غلہ کی کیا حالت تھی۔ جیسے جیسے پیٹ پیٹ پکارا جانے لگا۔ زمین کی برکت غائب ہو گئی۔ جو کوشش کی جاتی ہے الٹی پڑتی ہے۔

حضرات۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جو نظریہ اور نظام محمد صلیم کے ذریعہ سے آیا ہے اس کو اپنائیں۔ اور اس پر عمل کریں۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے دوسری قوموں کو بھی ہدایت عطا فرمائے۔

ہمارے یہاں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں خط پر اتحاد۔ مدینہ طیبہ میں اس کو عام رہا وہ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے اول تو ان کا کھانا ہی کیا تھا انہوں نے سالن چھوڑ دیا۔ اس کے بعد مصر کے گورنر (عمرو بن العاص) کو حضرت عمرؓ نے غلہ کے لئے خط لکھا انہوں نے غلہ بھیجا۔ اور لکھا کہ میں غلبہ بھیج رہا ہوں اتنا غلہ بھیجا ہوں کہ قطار کا ایک لوٹ میڈینہ طیبہ میں ہو گا اور اس کا آخری لوٹ مصر میں۔ دیکھئے انتظام اس کا ہام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (فِي السَّمَاءِ زُرْقَكُمْ وَ مَا تُوَعدُونَ) کہ آسمانوں میں تمہارا رزق ہے۔ زمین تو یے شک آپ کے پاس ہے آپ زمین کو قابل کاشت ہنا سکتے؟ لیکن پیدا کرنے کی طاقت نہ آپ میں نہ کسی بادشاہ میں آپ کو معلوم ہو گا کہ ہندوستان کے اندر بہت سی زمینیں قابل کاشت بنا لی گئیں۔ مگر غلہ میں کسی ہو گئی جو کام اللہ تعالیٰ کا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کس طرح سے کیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ عقل اور سائنس سے غلہ کی پیدا اور بڑھائیں مگر یہ عقل کی باتیں دماغ میں ڈالنے والا بھی تو وہ ہی ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔

ٹریکٹر سے پہلے ایک آدمی میلوں سے کاشت کرتا تھا لیکن اب ٹریکٹر کے لئے سارے گاؤں کو جمع کرنا ہوتا ہے اس پر ہندوستان میں میکار روپیہ صرف ہوا۔ اللہ سے رو گردانی کر کے کوئی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ فریب کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے۔ حضرات اسلام نے جس نظریہ پر پیدا افرمایا ہے وہ مادی نہیں ہے جو نظریہ مادی طریقہ

بے پیدا کیا جائے گا وہ دو چار سال کے بعد بیکار ہو جائے گا لیکن اسلام کا جو رشتہ ہے وہ  
ناقابل تبدیلی ہے۔ ایک دامنی ملت کی بیادِ دامنی ہی نظریہ پر قائم کی جاسکتی ہے۔ اسلام  
کی بیادِ اللہ کی توحید انبیاء کی سچائی ان کی کتابوں کی صداقت اور انسانوں کے صحیح عمل پر  
ہے۔ اسلام یہ ہے کہ اللہ ایک ہے۔ انبیاء کی تصدیق کیجعہ محمد صلعم کو خاتم النبین مانا  
جائے۔ اور اللہ کے فرشتوں کو کتابوں کو مانا جائے ان سب پر ایمان لایا جائے اعمال کی  
جز اور سزا طے گی۔ اس پر یقین رکھئے دوزخ اور بہشت میں جانا ہو گا۔ اس پر ایمان رکھو،  
اسلام نے اپنی بیادِ اسی پر رکھی ہے۔ امتِ محمدیہ آخری امت اور ملت ہے۔ اسی لئے جو  
نظام ہدایت باری تعالیٰ نے مکمل اور دوائی بنا کر بھیجا ہے۔ دنیا کی ساری چیزیں بدل سکتی  
ہیں۔ لیکن اللہ ایک ہے انبیاء سچے ہیں اللہ خالق حقیقی ہے کبھی نہیں بدل سکتیں یہ کبھی  
کبوکھلی نہیں ہو سکتیں دنیا کا کوئی بادی نظریہ آپ کے اندر خیر پیدا نہیں کر سکتا نیکی اور  
خیر کا جذبہ تو اس وقت پیدا ہو گا جب اللہ کے بتائے ہوئے اور رسول صلعم کے لائے  
ہوئے راستے پر چلو گے؛ جب تک اسلام کے راستے پر مسلمان چلے آفاتِ مصائب سے  
محفوظ ہوئے اور جب سے مادہ پرستی کا دور شروع ہوا تو میت کی بیاد پڑی۔ پیش کا سوال  
پیدا ہوا۔ بد کاری، تعصب، حق فروشی، بد دینی شروع ہو گئی اور ابھی کیا ہے۔ ابھی تو آغاز  
ہے مجھ کو لا ہو رکا حال تو معلوم نہیں ہے کہ اپنی کا معلوم ہے کہ آج فلاں عورت قتل  
ہو گئی ہے۔ ابھی آغاز ہے، فاشی اور بد کاری کا یہ عالم ہے پھر اس کا انعام کیا ہو گا  
(آوازیں لا ہو رہیں بھی ایسا ہی ہے) یورپ کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ وہاں جمورویت  
ہے لیکن اس جمورویت نے واقعی اخلاق بلند کر دیئے؟۔

کیا انکے اخلاق بلند ہیں۔ وہ سچے ہیں۔ کیا وہ اپنے اندر روحانی نور پیدا کر سکے۔  
یہ نظریہ روح کو اور اخلاق کو بلند نہیں کرتا۔ یہ دنیا کی تمثاویں کو بلند کرتا ہے بے ایمانی اور  
بد کاری کو اضافہ کرتا ہے ملت مسلمہ ساز ہے تیرہ سو سال سے ہے۔ ہر قسم کے دوروں

سے گزری لیکن اتنی عربانی فاشی پد کاری سامنے نہیں آئی جتنی آج ہے۔ آج اخباروں میں رسالوں میں، شعروں میں، سینماوں میں، ہوٹلوں میں، گلبوں میں جمال دیکھتے بجز ترغیبات جنسیہ کے کچھ نہیں۔

خواتین کے جلے ہوتے ہیں۔ ان کا نتیجہ بھی بجز فواحش کی نمائش کے کچھ نہیں۔ یہاں کنواریوں کا ایک کلب بنایا جا رہا ہے یہ لا کیاں عمر بھر نکاح نہیں کریں گی۔ راولپنڈی سے کنواروں کے کلب کی بارات آئے گی۔ اس گمراہی کا کیا نتیجہ ہو گا۔ مسلمانوں نے اپنے نظریہ، عقیدے، ہدایت کو چھوڑ دیا اور دوسروں کے اختیار کر لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر لینا اور اسلام کی امامت پر ایمان لا یا جا رہا ہے میں اپنی تقریر کے آخر میں ایک سوال کرتا ہوں کہ ہر مسلمان نماز پڑھتا ہے۔ کیا وہ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا ہے آپ کی زبان تو یہ کہتی ہے کہ اے خدا اس کو یہودیوں کے راستے پر نہیں عیسائیوں کے راستے پر نہیں۔ بلکہ انبیاء کے محمد رسول اللہ کے راستے پر چلا لیکن عمل آپ کا کیا ہے؟

نوجوانوں کی وضع قطع دیکھنے اخلاق عادات دیکھنے کیا وہ انبیاء کرام کے راستے پر چلیں یا یہودیوں کے اور نصاریٰ کے راستے پر چلیں،

ان کا قبلہ و کعبہ بیت الحرام ہے۔ یانیوار ک لندن اور پیرس ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں۔ اور دعویٰ مسلمانی کا کرتے ہیں۔ مگر طریقے یہودیوں اور عیسائیوں کے پسند ہیں۔ یہ کب ایمان و عمل کا تقداد ہے۔

# رسول وحدت



دوسٹ اور دشمن، موافق اور مخالف سب کو تعلیم ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی سب سے پہلی اور آخری خصوصیت توحید کی تعلیم ہے، مگر اب تک اس توحید کے لفظ کو ایک خاص اصطلاح میں استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نے خدا نے تعالیٰ کی وحدت کی کامل تعلیم لوگوں کے سامنے پیش کی۔ لیکن آئیے آج ہم اس لفظ کو تحلیل کریں اور دیکھیں کہ آپ نے وحدت کی تعلیم کس کس رنگ سے پیش کی اور کس کس پہلو سے مکمل کی ہے۔

## وحدت الٰہی

دنیا نے وجود کا سب سے بڑا ظہر، وحدت و کثرت کی نیر گنگی ہے، ہم کو ظاہر ہر طرف کثرت ہی کی نیر گنگیاں نظر آتی ہیں۔ ظاہر بین ٹکا ہیں کثرت کی انہیں نیر گنگیوں میں الجھ کر اور واحد کو کثیر سمجھ کر موحد سے مشرک بن جاتی ہے مگر حقیقت شناس ٹکا ہیں کثرت کے رنگارنگ پر دوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھ لیتی ہیں۔ دیکھنے والوں کو آسمان زمین، پہاڑ، جنگل، دریا نظر آتے ہیں۔ پھر آسمان میں آفتاب ماہتاب، سبیع سیارہ اور دوسرے ستارے دکھائی دیتے ہیں، زمین میں انسان، حیوان، درخت، پہاڑوں میں چٹا نہیں اور غار، دریاؤں میں روافی، سیر الی اور موجیں نظر آتی ہیں، تو انسانوں نے ان سب کو کثرت کی جلوہ انگنیزیاں سمجھ کر ان میں سے ہر ایک کو اپنا پناخ داوردیو تباہیا، کسی نے آفتاب کی پوچھا کی، کسی نے ماہتاب کو، کسی نے دریا کو اور کسی نے پہاڑ کو لیکن موحد اعظم کی ٹکا ہوں نے ان کثرتوں کے پیچھے وحدت کا جلوہ دیکھا اور پکارا تھا کہ میں ان کے نہیں بلکہ ان سب کے ایک اور تنہا خالق کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

انی وجہت و جهی للذی فطر  
السموٰت والارض حنیفا و ما انا  
مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔

میں نے اپنا من ان سب کی طرف سے پھیر کر اس کی طرف کیا جو ان آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔  
موجود ہے کہ اور میں دوسروں کو خدا نے برحق کا ساجھی نہیں ہانتا۔

دنیا کے سارے علوم و فنون اور فلسفہ و سائنس کی تمام شاخوں کی پوری کوششیں اور تحقیقیں صرف اسی ایک اصل کی فرع ہیں کہ ان رنگارنگ کثرتوں میں وحدت کی تلاش کی جائے اور اس ایک علت کا پتہ چلایا جائے۔ جس کی تمام کثرتیں اثر اور نتیجہ میں جس علم و فن میں جس حد تک حقیقت کی منزل قریب ہوتی جاتی ہے وحدت کا چہرہ نمایاں سے نمایاں تر ہوتا جاتا ہے۔

عمرد جاہلیت میں انسان ہر کام کا الگ الگ دیوتا مانتا تھا اور سمجھتا تھا کہ دنیا کے تمام افراد اور واقعات کا تعلق علیحدہ علیحدہ فاعلوں اور موشووں سے ہے اور وہ ان سب کو پوچھتا تھا یہ ماری کا الگ خدا تھا لیکہ ہر بیماری کا ایک ایک الگ دیوتا تھا جس کی پرستش ہوتی تھی۔ جنگ کا الگ، صلح کا الگ، قحط کا الگ، پیداوار کا الگ، علم کا الگ، خیر کا الگ اور شر کا الگ، ایک ایک دیوتا تھا لیکن اس سے پہلے کہ سائنس اس باطل کائنات کا انکار کرے دین حق نے اس کے تاریخ و بحیرہ دیئے اور تعلیم دی کہ وہ ایک ہی جو آسمان سے زمین تک سب پر فرمائزوادے ہے اور ایک ہی حکم ہے جو عرش سے فرش تک جاری ہے۔

**وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاوَاتِ إِلَهٌ** اور وہی ایک ہے جو آسمان میں اور وہی ایک ہے جو زمین میں فرمائزوادے ہے۔  
**وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ** (زخرف)

یہی وہ حقیقت ہے جو توحید کا مفزو جوہر ہے صلح و جنگ، دولت و افلاس رحمت و رحمت کامیابی، ناکامی، غرض دنیا کے ہر کام اور ہر شے کا تعلق اسی ایک ذات سے ہے۔ جو وحدہ لاشریک ہے۔

اس تعلیم نے دیوتاؤں، دیویوں، ستاروں، فرشتوں، پیغمبروں، ولیوں اور شہیدوں کی طوائف الملوکیوں کا خاتمه کر کے آسمان و زمین میں صرف ایک شہنشاہی قائم کی اور تمام عالم کو ایک نظام ربانی کے قبول کرنے کی دعوت دی۔ دنیا کے مختلف

ذاهب کو لیکر جوانبیائے کرام علیم السلام مبعوث ہوئے وہ اسی سب سے بڑی حقیقت کو لیکر آئے مگر افسوس ہے کہ یہ حقیقت پوری طرح واشکاف ہو کر لوگوں کے سامنے نہیں آئی اور جن کے سامنے آئی وہ بھی اس کو بھلاتے رہے آخر دنیا کو دنیا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقامارہا کہ آپ کی بعثت اس حقیقت کو اسوضاحت اور شرح و تفصیل اور تمجیل کے ساتھ پیش کرے کہ دنیا اس کو قبول کر کے پھر بھلانہ سکے۔

چنانچہ توحید یا وحدت الہی کی تعلیم جس تفصیل اور تشرع کے ساتھ آپ نے وہ آپ کی تعلیم کی امتیازی خصوصیت من گئی ہے۔ آپ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لحاظ سے بھی واحد ہے اور اپنی صفات کاملہ کے لحاظ سے بھی واحد و منفرد ہے اور اپنی عبادتوں کے لحاظ سے بھی غیر شریک ہے۔ وہ نہ ۳۳ کروڑ صفات کے جلوؤں میں ۳۳ کروڑ ہے اور نہ تین اقسام میں منقسم ہو کر واحد ہے اور نہ وہ دو مقناد احوال کی بناء پر دو ہے بلکہ وہ ایک واحد، منفرد اور غیر شریک ہے نہ کسی پیغمبر کو یہ قدرت ہے کہ وہ اس کی الوہیت میں ذرا برابر شریک ہو سکے اور نہ کسی نمرود و فرعون یا کسری و قیصر اور مہاراج کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کی شہنشاہی اور بوبیت میں شرکت کا دعویٰ کر کے اناریکم الاعلیٰ کی آواز کی بلند کر سکے۔

## سب کا ایک خدا

لیکن توحید کی تمجیل ابھی ایک اور قدم کی محتاج تھی اور وہ یہ تعلیم تھی کہ وہ واحد منفرد جو ہمارا خدا ہے جس طرح وہ اپنی ذات و صفات و عبادات میں واحد منفرد ہے۔ اسی طرح اپنے تعلق کے لحاظ سے بھی منفرد ہے یعنی یہ کہ وہ ہی جو ہمارا ایک خدا ہے وہی ہر ذرہ سے لیکر آفتاب تک ہر ایک کا واحد خالق و مالک ہے۔ کیڑے کوڑے پھول بولے، حیوان اور انسان سب اس کی مخلوق اور مخلوم ہیں تمام کائنات اسی ایک کے قبضہ

قدرت میں ہے پست و بلند نشیب و فراز اور فرش و عرش سب اسی ایک کے زیر فرمان ہیں۔

## وحدت کی غلط تعبیریں

بہت سی قوموں نے اس کو ایسا مانا تھا کہ وہ انہیں کامے ہے دوسروں کا نہیں۔ انہوں نے انسانوں کے اندر پستی و بلندی اور شرافت و رذالت کے درجے اور مرتبے قائم کر کے یہ یقین پیدا کر لیا تھا کہ وہ صرف بلند و شریف انسانوں کے طبقہ کا واحد خدا ہے اور بقیہ پست و ذلیل مخلوقات اس قبل نہیں کہ وہ اس سے تعلق کی نسبت رکھ سکیں۔ وہ گویا ایک خدا ہتا۔ مگر صرف ایک خاندان یا کسی ایک قوم یا کسی ایک مذہب کا خدا دوسروں کا نہیں۔ چنانچہ سپید رنگ، شریف النسل آریہ اس کو صرف اپنے ہی لئے خاص سمجھتے ہیں اور پھر وہ بھی ایرانی اور آریہ ورت کے رہنے والوں میں منقسم ہو کر اس طرح دو ہو گئے تھے کہ ان میں سے ہر ایک کو جائے خود بھی دعویٰ تھا کہ خدا تعالیٰ کی بندگی کے صرف وہی الٰل ہیں انتباہ کہ اگر ایک (آریہ) کے یہاں لفظ دیو تا الوہیت اور خدا کی معنی دیتا ہے تو وہی لفظ دوسرا (آریہ) کے یہاں بصورت دیو جن و شیطان کے معنی دیتا ہے اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان کے دو حصوں شماں اور جنوی میں شیو اور شنوجو دو نوں خالق و قیوم کے معنوں میں ایک ہی ذات پاک پر دلالت کرتے ہیں وہ ہندوؤں کے دو حصے کر دیتے ہیں، ایک شیو کو پوجنے والے اور دوسرا و شنو کے مانے والے۔

پاک نژادوں ایران کا ہور مزداؤں کا خدا ہتا مگر ہندو آریوں میں وہ سورج سے زیادہ نہیں، ہندو آریوں میں سے بر بمنوں نے اپنا وہ خدا مانا جو صرف انہیں کا خدا ہتا۔ جس نے اپنے منہ سے ان کو پیدا کیا اور دوسری ہندو قوموں کو اپنے بازوں اور ٹانگوں

سامیوں کا خدا صرف انہیں کا تھابکہ بنی اسرائیل کے نزدیک وہ خاصہ ان  
کے خاندان کا تھا خداوند میرے خاوند اور ائمہ کا خدا۔ پیدا ۲۷۔ ۲۳

اے میرے باپ ابراهیمؑ کے خدا اور میرے باپ  
الحق کے خدا۔ پیدا ۹۔ ۲۳

میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیمؑ کا خدا اور اسحاقؑ کا خدا اور یعقوبؑ کا خدا  
ہوں۔ خروج ۳۔ ۵

پھر خدا نے موئی سے کہا کہ تو بنی اسرائیل سے یوں کہیو کہ خداوند  
تمہارے باپ کے خدا ابراهیمؑ کے خدا اور اسحاقؑ کے خدا اور یعقوبؑ کے خدا نے مجھے  
تمہارے پاس بھجا ہے۔ خروج ۱۵۔ ۳

میرے باپ کا خدا ابراهیمؑ کا معبود اسحاقؑ کا معبود  
پیدا ۱۵۔ ۳

اور انہیں کہہ کہ خداوند تمہارے باپ کا خدا ابراهیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کا خدا  
یوں کہتا ہوا مجھے دکھائی دیا ۱۶  
خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تو میرے لوگوں کو جانے دے۔  
خروج ۵۔ ۱

فرعون نے کہا کہ خداوند کون ہے کہ میں اس کی آواز سنوں کہ بنی اسرائیل  
کو جانے دوں، میں خداوند کو نہیں جانتا۔.....تب انہوں نے کہا کہ عبرانیوں کے  
خدا نے ہم سے ملاقات کی۔ ۷

اور اسے کہیو کہ خداوند عبرانیوں کے خدا نے میرے تیس بھجا ہے کہ  
اور کہتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے۔ ۱۶

وہ میرے باپ کا خدا ہے (خروج ۱۵۔ ۲)

اس طرز ادا کی وجہ پر ہے کہ اس قدیم زمانے میں خداۓ

یر تر کی پرستش صرف حضرت ای� آسم علیہ السلام کی اولاد، ہی میں  
محصر تھی تھی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی حضرت یعقوب کے سوال پر ان کے  
بیٹوں کی زبان سے اسی قسم کے فقرے ادا کئے ہیں۔

ہم آپ کے خدا اور آپ کے باپ دادوں  
ابراہیم اور احْمَنْ کے خدا کی عبادت کریں گے

نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالَّهَ أَبَانِكَ إِبْرَاهِيمَ  
وَإِسْحَاقَ (بقرة)

لیکن بنی اسرائیل نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہ خدا خاص اشیں کا خدا ہے  
جس میں دنیا کی کوئی قوم ان کی شریک نہیں اور وہ ان کا خاندانی خدا ہے۔  
بیساً یوں کا خدا عیسیٰ یوں کا باپ تھا، مگر اس باپ کے کنبہ میں ان کے سوا  
کوئی دوسرا شریک نہ تھا لہر اہم اور احْمَنْ والا خدا یہاں آکر صرف کواری ماں کے پیٹ کا  
باپ رہ گیا ہے جیسا کہ انجیل میں بار بار آیا میرا باپ جو آسمان میں ہے۔

## پیغمبر اسلام علیہ السلام کی تعلیم

یہ تھا اس خدائے واحد کا تخلیل جو قوموں اور خاندانوں اور شخصیتوں کا خدا ان  
کر محمد و سمجھ لیا گیا تھا اس کے بعد خاتم الانبیاء علیہ السلام کیبعثت ہوئی۔ آپ کی  
تعلیم نے جہاں وحدت ربی کے دوسرے پسلوؤں کی تخلیل کی اس وحدت کے مفہوم  
کو بھی مکمل کیا اور بتایا کہ وہ ایک ہی خدا ہے جو برہما بھی ہے، میش بھی، دشنا بھی ہے اور  
شیو بھی، یعنی خالق بھی ہے قیوم بھی زندہ کرنے والا بھی ہے اور مارنے والا بھی الذی یعنی  
ویمیت وہی مارتا اور جلاتا ہے وہ کاملے گورے آریائی اور سائی، ایرانی اور تورانی، ہندی

اور عربی 'اسرا ایلی' اور اسما عیلی 'موسیٰ' اور عیسوی ہندو اور مسلمان بلکہ زاہد شب زندہ دار اور فاسق تھے اس کا یکساں خدا ہے اور سب اس کے دربار کے یکساں ہندے ہیں، بر ہمن ہو کہ شودر یہودی ہو کہ خلیفین مختارین تسلیت پرست ہو کہ موحد آقا ہو غلام، اونچا ہو یا نیچا ہونے کی حیثیت سے سب اس کے سامنے ایک ہی درجہ رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کو ان کے خدا کی طرف سے یہ حکم ہوتا ہے کہ تم دوسرے نہ ہب

والوں سے کہہ دو إِلَهًا وَالْهُنْكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ

سب اسی کے ہندے ہیں اور وہی ایک سب کا خالق والاک اور مجی و ممیت ہے۔ یہاں کوئی محمد (صلعم) کا خاص خدا نہیں، قریش کا خدا نہیں، عرب کا خدا نہیں، مسلمانوں کا خدا نہیں بلکہ دنیا کا ایک خدا ہے ایک وحدت ربی ہے جس میں کل بندگان اللہی باہم یکساں شریک ہیں۔ وہ سب اس کے ہندے ہیں اور وہ ایک ان سب کا خدا ہے قرآن کی سب سے پہلی سورۃ کی سب سے پہلی دعا اور اس دعا کا سب سے پہلا فقرہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو سکھایا یہ ہے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ساری خوبیاں اس ایک خدا کی ہیں جو سارے جماں کا پروار و دگار ہے ایک ہی ربویت ہے جس میں نہ صرف کل دنیا بلکہ کل دنیاؤں کی ساری مخلوقات یکساں شریک ہیں اور اس لحاظ سے محمد رسول اللہ صلعم کی تعلیم نے ان تمام تفرقوں کو مٹا دیا جو ایک خدا کے ماننے کے باوجود دنیا کی قوموں اور خاندانوں کو مختلف خداوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور بتا دیا کہ ہم سب کے سب ایک خدائے واحد کے ہندے ہو نے کی حیثیت سے باہم بھائی بھائی ہیں سید ہوں کہ شیخ، پرانے خاندانی مسلمان ہوں کہ نو مسلم بر ہمن ہوں کہ چمار، یورپیں ہوں کہ ایشیائی سب ایک ہی آقا کے غلام اور باہم خواجہ تاش ہیں۔

**فُلْ أَعْوَذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ  
النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ**  
سارے انسانوں کا پورہ گار سب انسانوں  
کا باشادہ اور سب انسانوں کا خدا۔

یہ وہ وحدت ربائی ہے جس کا جلوہ محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ ہم نے دیکھا  
اور وہ حقیقت ہے جس کو آپ کی تلقین سے ہم نے سمجھا یعنی یہ کہ وہ ایک ہی شہنشاہ  
مطلق اور رب العباد ہے جس کی ربووبیت میں تمام مخلوقات ارضی و سماوی، انسانی  
وحیوانی اور تمام دنیا کے خاندان اور نسلیں، تو میں اور ملیٹیں بر اہر کی شریک ہیں فرمایا۔

**إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ وَآتَانَا  
رُسُوكُمْ فَاتَّقُوهُنَّ۔**

یہک یہ تم سب کی امت ایک ہی امت  
ہے اور میں تم سب کا پورہ گار ہوں تو تم  
سب میر ادب لخانہ کرو۔

یہ وہ بلند تخلیل ہے جس نے نہ صرف عرب و عجم، ترک و تاجیک، زنگ  
و فرنگ، ہندو سنہ، روم و تاتار، یورپ و ایشیاء سب کو ایک ربووبیت واحدہ اور ایک  
اخوت عامہ میں مریوط و منسلک کر دیا لیکہ انسانوں اور حیوانوں کو بھی ایک پورہ گار کے  
سامنے سر گنوں کر کے انسانوں کو حیوانوں کی خدمت اور حیوانوں کو انسانوں کی  
خدمت کا سبق پڑھایا۔

**وَمَا مِنْ ذَبَابٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا  
طِفَّالٌ يَطِيرُ بِحَنَّا حَبَّهُ إِلَّا أُمَّةٌ  
أَمْثَالُكُمْ (انعام)۔**

نہ تو کوئی زمین میں ریکنے والا جانور ہے اور  
نہ کوئی پرندہ ہے جو اپنے دباؤوں سے اڑتا  
ہے لیکن وہ تمہاری ہی طرح امت ہے۔

## وحدت رسالت

وحدت اللہ کے بعد وحدت رسالت ہے اور اس سلسلہ میں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو اصلاح ہوئی۔ جو غلط فہمیاں دور ہوئیں اور جو بلند تخلیق منصب نبوت کے متعلق پیش فرمایا اس کو ذرا تفصیل سے سننے کی ضرورت ہے۔

## تخصیص کا ابطال

سب سے بڑی غلطی جو دوسری قوموں سے اس مسئلہ کے متعلق سرزد ہوئی وہ یہ تھی کہ نبوت کو خاص خاندانوں اور قوموں میں محدود اور مخصوص کر دیا گیا تھا آریہ ورت کے ہندو کنتے تھے کہ خدا کی بولی صرف یہیں ہے کہ رشیوں اور مینوں نے سنی اور وہ صرف وید کے اور اق میں حفظ ہے زردشت والے ایرانیوں کے علاوہ سب کو یزدان کے جلوہ نورانی سے محروم خیال کرتے تھے۔ بنو اسرائیل اپنے سوا کہیں اور کسی بھی یار رسول کی بعثت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ عیسائی صرف اپنے آپ کو خدا کی فرزندی کا مستحق سمجھتے تھے لیکن اسلام نے اس تخصیص کو خدا کی شان رحمت اور عدل و انصاف کے منانی تصور کیا اور قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں اس کی تروید کی۔ ایک یہودی حضرت موسیٰ کے سواب پیغمبروں کا انکار کر سکتا ہے ایک عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا پیٹامان کر عیسائی رہ سکتا ہے ایک ہندو تمام دنیا کو شور کہہ کر بھی پکا ہندو ہو سکتا ہے ایک زردشتی حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی تکذیب کر کے بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن ایک مسلمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ جب تک تمام پیغمبروں کو تسلیم نہ کرے مسلمان نہیں ہو سکتا۔ عک خیالی کا دائرہ صرف یہیں تک محدود نہ تھا کہ نبوت کو ملک و قوم اور زبان کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا تھا بلکہ اس سے بڑا ہ کہ یہ مخصوص کرنے والے خود پیغمبروں میں تفریق کرتے تھے۔ یعنی ان میں سے بعض کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے تھے یہود حضرت عیسیٰ کو نعوذ باللہ کا ذبب سمجھتے تھے اور ان پر طرح طرح کی تہمتیں لگاتے

تھے قریش حضرت عیسیٰ کے نام سے چلانے لگتے تھے۔

فاماً قومك منه يصدون، یہود و نصاریٰ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو صرف بادشاہ سمجھتے تھے اور پیغمبر نہیں مانتے تھے محدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم، شام و ہند، یورپ، چکم، اوٹر، دکن، کی تخصیص کو دور کرتے ہوئے بتایا کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا نور دیکھا گیا اور اس کی آواز سنی گئی ہے اس لئے بلا تفریق و امتیاز دنیا کے تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یہاں خدا کا رسول صادق اور راستباز تسلیم کرنا چاہیے۔

## مفهوم نبوت کی وضاحت

ایک اور واقعیت جس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ اسلام سے پہلے نبوت و رسالت اور پیغمبری کی کوئی واضح اور غیر مشتبہ حقیقت دنیا کے سامنے نہ تھی، یہود کے ہاں نبوت کے معنی صرف پیش گوئی کے تھے اور نبی پیشیجو کو کہتے تھے جس کے متعلق ان کو یہ یقین تھا کہ اس کی دعا یابد دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے چنانچہ تورات کے صحیفہ تکوین میں اس مضمون کی آئینیں موجود ہیں، اسی بنا پر حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت احْمَنْ، حضرت یعقوب اور حضرت یوسف کی نبوت و رسالت کا ایک دھنڈلا ساختا کہ ان کے ہاں موجود ہے بلکہ بعض پیغمبروں کے مقابلہ میں بعض کاہنوں کی پیغمبرانہ شان زیادہ نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی حیثیت صرف بادشاہ کی ہے اور ان کے زمانہ کے پیش گوئی کرنے والے پیغمبر اور ہیں۔

یہود کی طرح نصاریٰ بھی خدا کے سب پیغمبروں کو یہاں تسلیم نہیں کرتے۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ کا یہ قول ہے کہ مجھ سے پہلے جو آئے وہ چور اور ڈاکو

تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی کے نزدیک حضرت عیسیٰ سے پہلے کے پیغمبروں کی حیثیت کیا تھی۔ موجودہ انجلیوں میں نہ خدا کے رسول کی تعریف ہے نہ ان کے تذکرے ہیں نہ ان کی سچائی اور صفات کی گواہی، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کا بے شبه تذکرہ کیا ہے لیکن پیغمبرانہ شان کے ساتھ نہیں۔

اس تخلیل کا یہ اثر تھا کہ یہود اور نصاریٰ دونوں اسرائیلی پیغمبروں کی طرف بے تامل نمایت رکیک اور سخیف باتیں منسوب کرتے تھے مثلاً حضرت توط پر بد کاری کا الزام لگاتے تھے حضرت سليمان کو گندزا تعویز، اور عملیات وغیرہ کا موجہ سمجھتے تھے حالانکہ سحر اور جادو کو تورات میں شرک قرار دیا جا چکا ہے عیسائی حضرت عیسیٰ کے علاوہ تمام پیغمبروں کو گنگار خیال کرتے تھے بلکہ انجلیل کے مختلف حوالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہود اور خود عیسائی بھی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کی نسبت بعض ایسی باتیں کہتے تھے جو ان کی شان عظمت کے سراہ منافی ہیں۔ مثلاً یہود حضرت مریم پر تھمت رکھتے تھے اور انجلیل کے طرز سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ احکام عشرہ کے برخلاف اپنی ماں کی عزت نہیں کرتے تھے اور احکام عشرہ کے مطابق ماں باپ کا ادب نہ کرنا بد بختی تھی۔ اس طرح موجودہ انجلیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نماز و روزہ کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

## اسلام میں نبوت کا مفہوم

حضرت انبیاء کرام علیہ السلام پر یہود و نصاریٰ کے یہ الزمات صرف اس وجہ سے تھے کہ ان کے مذہب میں نبوت و رسالت کا کوئی بلند تخلیل نہ تھا اور نہ انبیاء کی عظمت کی کوئی بلند سطح قائم تھی۔ لیکن اسلام نے دنیا کے تمام پیغمبروں کی عظمت و جلالت کی ایک نمایت بلند سطح قائم کی اس نے نزدیک گناہوں سے پاکی اور عظمت تمام انبیاء و مرسلین کا مشترک وصف تھا سب پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وہ

سب خدا کے تھے ہوئے ایک خاص منصب پر سر فراز تھے، وہ سب دنیا میں اس غرض سے بھجے گئے تھے کہ خدا کے احکام لوگوں کو سنائیں اور نیکی اور سچائی کا راستہ سب کو دکھائیں وہ سب رہنماء ہو شیار کرنے والے خدا کی طرف بلا نہ والے خوشخبری سنانے والے تعلیم دینے والے خدا کے احکام پہنچانے والے نور، روشنی خدا کے نیک اور مقبول ہندے اور اپنے عمد کے سب سے بہتر انسان تھے۔

اسلام میں اگرچہ پیغمبروں کی تعداد معین نہیں ہے تاہم قرآن پاک میں ان کی دو قسمیں ہم کو بتائی گئی ہیں۔ ایک وہ جن کے ناموں کی تصریح قرآن میں کی گئی ہے اور دوسرے وہ جن کے نام قرآن میں نہ کوئی نہیں، پہلی قسم میں بھی کئی قسمیں ہیں، بعض وہ انبیاء ہیں جن کو اہل عرب اور یہود و نصاریٰ سب جانتے تھے مثلاً حضرت ابراہیم وغیرہ بعض وہ ہیں جن سے اہل عرب و اقف تھے لیکن یہود و نصاریٰ کو ان کی خبر نہ تھی۔ مثلاً حضرت ہوادور حضرت شعیب بعض ایسے ہیں جن کو یہود و نصاریٰ پیغمبر نہیں مانتے تھے لیکن دراصل وہ پیغمبر تھے، مثلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان دوسری قسم میں ہر قوم و ملک کے وہ نیک لوگ داخل ہو سکتے ہیں جن کو ان کے ماننے والے پیغمبروں کا سا درجہ دیتے ہیں۔ جیسے یونان کے ستراط ایران کے زردوش ہندوستان کے سری رام چندر جی اور سری کرشم جی اور مہاتما گومت پدھ اور جیمن کے حکیم کنفو شیوں وغیرہ بیشتر طیکہ ان کی کچی تعلیم میں توحید اور کلیات دین کے سبق موجود ہوں، لیکن چونکہ ہم یقینی طور پر ان ملکوں کے پیغمبروں کے ناموں کی تعین نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے پاس تخصیص و تعین کا ذریعہ صرف وحی محمدی ہے اور وہ ان کے ناموں کی نسبت خاموش ہے اس لئے ہر مسلمان کو پہلی قسم کے انبیاء کو نام بنا م تفصیلاً اور دوسرے قسم کے پیغمبروں کو نام کی تخصیص کے بغیر ماننا ان کی صداقت کو تسلیم کرنا اور اس تسلیم کو ذریعہ نجات سمجھنا لازم ہے۔

ان تمام انبیاء کا دین ایک ہے، ان کی تعلیم ایک ہے وہ سب وصف عصمت،  
میں شریک ہیں وہ سب خدا کے راستا بندے تھے ان سب کا ایک ہی مشن ہے اور ان  
سب کی زندگی کا ایک ہی طرز ہے اور ان سب کی نبوت کی پہچان یہ ہے کہ وہ ایک ہی  
دین کی تعلیم درپیتے ہیں۔

قرآن پاک کی متعدد آیتیں ہیں جس میں وحدت رسالت کے اس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ دنیا کے تمام انبیاء اور پیغمبروں کی کیاس تعظیم و تکریم کریں اور ان سب کو بر امیر سمجھیں اور یہ عقیدہ سکھایا گیا ہے۔

لَا نَفِرْقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ ہم خدا کے فرستادوں میں کوئی فرق نہ کریں اور یہ تعلیم دی ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں خدا کے رسول آئے اور اس کے احکام لوگوں کو سنتے رہے۔ کوئی قوم نہیں جس میں خدا کا فرستادہ نہ آیا اس کے لئے عرب و عجم، روم و شام، بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل ایرانی اور تواریخ کی کوئی تخصیص نہیں۔ ان تمام قوموں میں خدا نے اپنے رسول پہنچے اور ہم ان سب کو خدا کا یکساں رسول سمجھیں اس امر کی اسی تعلیم کا اثر ہے کہ مسلمان یہود یوں کے پیغمبروں عیسائیوں کے رسولوں اور امہالا ایران کے نبیوں اور ہندوستان و چین کے ربانی مبلغوں کو صادق راست باز یقین کرتے ہیں۔ خواہ وہ ان کے ناموں کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔

و حدت کتاب

اس عنوان سے وحدت ادیان کا مسئلہ سامنے آ جاتا ہے جو اسلام کی وسیع اور بند ذہنیت کو ضیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام سے پیشتر دوسرے مذاہب نے اس جانب توجہ نہیں کی تھی یہود توڑات کے سوا کچھ نہیں مانتے تھے یہاں تورات کے احکام کو نہیں مانتے تھے لیکن اس

کی اخلاقی نیحوں کو قبول کرتے تھے اور تورات کے علاوہ دنیا میں جواہر کتابیں مذہبی حیثیت سے مقدس مانی جاتی تھیں اور جن کا زمانہ انجلی سے پیشتر تھا ان کی عزت اور عظمت نہیں کرتے تھے پارسی اوستا کے علاوہ اور کسی کتاب کو خدا کا کلام تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ اور ہندوستان کے برہمن و بیدول کے سو اخذ الہام کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے لیکن محمد رسول اللہ صلیع نے جو رواداری اور بے تصبی اور نظر کی وسعت اس مسئلہ میں ظاہر فرمائی وہ اسلام بلکہ دنیا کی مستلزم باشان تعلیمات میں ہے۔

اس تعلیم کے مطابق ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ قرآن مجید کی طرح گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں کو بھی صحیح سمجھے اور ان کو منبناہ اللہ تسلیم کرے بما انزال الیک وما انزل من قبلک گویا قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ انہیاے قدیم کی کتابوں پر بھی ایمان لایا جائے اور قدیم کتابوں کی تصدیق نہ کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تصدیق نہیں کی گئی ہے جس طرح قرآن پر ایمان نہ لانا اسلام میں کفر ہے اس طرح اگلی آسمانی کتابوں کا نہ ماننا بھی اسلام کے نزدیک کفر ہے۔ یہ ادب یہ عزت یہ رواداری کیا اسلام کے باہر کمیں مل سکتی ہے۔

آسمانی کتابیں اگرچہ غیر محدود ہیں تاہم تخصیص کے ساتھ جن کتابوں کے نام قرآن مجید میں آئے ہیں وہ چار ہیں۔ تورات باحسف موئی زبور، انجلی اور قرآن ان کے علاوہ ایک جگہ حضرت ابراہیم کے صحیفوں کا ذکر آیا ہے لیکن ان کے نام نہیں بتائے گئے ہیں۔ بعض آئیوں میں صرف اگلے صحیفوں یا انگلوں کی کتابوں کا حوالہ آیا ہے بعض آئیوں میں دوسری قسم کے پیغمبروں کی طرح کتابوں کا بھی اجمالی ذکر آیا ہے یعنی ان کے ناموں کی تصریح نہیں کی گئی ہے لیکن ہر حال ہر جگہ ان کی صداقتیں کو یکساں تسلیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس لئے قرآن مجید پر ایمان لانے والے مسلمان مجبور ہیں کہ محمد رسول اللہ صلیع سے پیشتر کی ان کتابوں کو جن کے نام قرآن نے بتائے ہیں تفصیلاً اور

جن کے نام نہیں بتائے گئے ہیں ناموں کی تخصیص کے بغیر اجمالاً خدا کی کتابیں سمجھیں اس لئے ایسی اگلی کتابوں کو جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں گوان کا ذکر قرآن میں نہ ہو جھوٹا نہ کہیں کیونکہ ان کا بھی خدا کی کتاب ہونا ممکن ہے۔ گو قطیعت کے ساتھ ان کا فیصلہ اس لئے نہیں ہو سکتا کہ قرآن نے ان کے نام نہیں بتائے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہو گا کہ اسلام نے دنیا کے تمام مذاہب حقہ کو ایک ہی سمجھا ہے کیونکہ خدا جو ان تعلیمات کا سرچشمہ ہے ایک ہی ہے تمام رسول اور پیغمبر جو اس سرچشمہ سے سیراب ہیں مقصد کے لحاظ سے متعدد ہیں یعنی سب کا مبداء ایک اور تعلیم ایک ہے اس لئے تمام کتابیں جو ان رسولوں کے ذریعہ سے دنیا کو دی گئیں اور جو احکام انسیں بتائے گئے وہ بھی یقیناً ایک تھے اس حقیقت کو کہ تمام رسولوں کی تعلیم ایک تھی قرآن مجید میں متعدد جگہ صاف بیان کیا گیا ہے اس بناء پر اسلام اسی ایک مذہب کا نام ہے جو حضرت آدم سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تک باری باری پیغمبروں کے ذریعے سے آتا رہا اور انسانوں کو اس کی تعلیم دی جاتی رہی۔

## وحدث دین

عام مذہب کا خیال ہے کہ جو مذاہب اس وقت پھیلے ہیں وہ ایک دوسرے سے الگ ہیں لیکن اسلام کا دعویٰ یہ ہے کہ تمام چے مذاہب درحقیقت ایک ہی ہیں ایک ہی پیغام ہے جو آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک سنایا جاتا رہا مایقال لک الا ماقد قیل للرسل۔

اس مقام پر ایک نکتہ بیان کرنے کے قابل ہے، قرآن مجید نے ہمارے سامنے دونوں پیش کئے ہیں، وین اور شرعیہ جس کو منک اور منہاج بھی کہتے ہیں دین سے مراد مذہب کے وہ پیادی امور ہیں جن پر تمام مذاہب حقہ کا اتفاق ہے، مثلاً خدا

کی ہستی، اس کی توحید، اس کے صفات کامل، انبیاء کی بعثت، خدا کی خالص عبادت، حقوق انسانی، اخلاق اچھے اور بدے اعمال کی بازا پر س جزا و سزا یہ وہ اصل دین ہے جس میں تمام پیغمبروں کی تعلیم یکساں تھی اسی کو لے کر اول سے آخر تک تمام انبیاء آئے اس میں زمان و مکان کے تغیر کو کوئی دخل نہیں نہ قوم و ملک کے اختلاف سے اس میں کوئی اختلاف ہوا وہ ہر زمانہ اور ہر مقام میں یکساں رہا اور وہاں کے پیغمبروں نے اس کی یکساں تعلیم دی، اب اگر اس میں کسی جنت سے کوئی اختلاف ہو یا تو طریقہ تعبیر کی غلطی ہے یا یا ہر کی چیزیں اس میں مل گئی ہیں اور اس کی اصلی حالت میں تغیر پیدا ہو گیا ہے۔

دوسری چیز یعنی شرعاً منہاج اور منک وہ جزئیات احکام ہیں جو ہر قوم و مذہب کی زمانی مکانی خصوصیات کے سبب سے بدلتے رہے ہیں مثلاً عبادت الہی کے طریقوں میں ہر مذہب میں تھوڑا تھوڑا اختلاف ہے عبادت کی سنتیں اللہ الگ الگ ہیں، اعمال فاسدہ کے انسداد کی تدبیر میں جدا جدا ہیں۔

اب قرآن کے نقطہ نظر سے مذاہب کے اختلاف کا یہ مطلب ہے کہ اصل دین جو اذلیٰ اور بدی صداقت ہے ناقابل تبدیل اور ناقابل تغیر ہے البتہ متفقہ حصول مقصد کے راستے اور طریقے مختلف پیغمبروں کے زمانوں میں اگر اصلاح اور تبدیل کے قابل پائے گئے تو بدلتے رہے ہیں۔ دنیا میں انبیاء علیهم السلام کا وفا فوتا ظہور اسی ضرورت سے ہوتا رہا ہے کہ وہ اسی اذلی اور بدی صداقت کو دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے اور دین کو اصل مرکز پر قائم رکھیں اور ساتھ ہی اپنی قوم و ملک اور زمانہ کے حالات کے مطابق خاص احکام اور جزئیات جوان کے لئے مناسب ہوں ان کو بتائیں اور سکھائیں۔

## انبیاء کا یکے بعد دیگرے ظہور اور اس کی وجہ

انبیاء علیهم السلام کے حالات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاحب

شریعت نبی کے بعد دوسرا صاحب شریعت نبی اس وقت بھیجا گیا ہے جب پہلا صحیفہ وحی کھو گیا ہے یا ذہنی تحریفات اور دستی تصرفات سے ایسا بدل گیا ہے کہ اصلیت مشتبہ ہو گئی ہے حضرت ابراہیم کے صحیفوں کے گم ہو جانے کے بعد حضرت موسیٰ پر تورات نازل ہوئی اور جب اس میں اختلافات پیدا ہوئے تو تزیروں وغیرہ مختلف صحیفے آتے رہے جو عمد نامہ قدیم میں موجود ہیں پھر اس کی تجھیل کے لئے انجلیں آئی اور جب اس میں بھی انسانی تصرفات کا دخل ہو گیا تو قرآن اتر۔

## آخری کتاب

مگر قرآن اس دعویٰ کے ساتھ اتر ہے کہ اب اس کے بعد کسی دوسری آسمانی کتاب کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ہمیشہ کے لئے تحریف و تبدیل سے محفوظ کر دی گئی ہے اور اس کی خفاظت کا وعدہ خود خدا نے کیا ہے اور یہ وہ وعدہ ہے جو دنیا کی کسی آسمانی کتاب کے لئے خدا نے نہیں فرمایا تھا اس سے معلوم ہوا وہ دنیا کی آخری کتاب اور اس کا رسول دنیا کا آخری پیغمبر ہے اب جو کچھ فیض دنیا کو پہنچے گا اسی کے ذریعے پہنچے گا۔

## ہندوستان میں روشنی و حدت و بازگشت

چنانچہ صرف ایک ملک ہندوستان پر غور کیجئے۔

مسلمانوں کے ہندوستان میں آئنے کے بعد ہندوؤں میں بہت سے ایسے مصلح پیدا ہوئے جنہوں نے بت پرستی کے خلاف توحید کا وعظ کیا اور لوگوں کو اس دین کی دعوت دی، چودہ ہویں صدی عیسوی میں رامانند۔ سیاسی نے اصول توحید پر ایک نئی جماعت قائم کی جس کا خیال یہ تھا کہ دنیا کے تمام مذاہب کا سر چشمہ ایک ہے، پندرہ ہویں صدی میں کبیر نے ہندوؤں کی بت پرستی اور دھرم شاستری کا خاکہ اڑایا اور مسلمانوں کو ان توبہات سے آگاہ کیا جن میں وہ مذہب کے نام سے گرفتار ہو گئے تھے اس طرح ہندو اور مسلمان کے مذہبی تفریقات کو بالائے طاق رکھنا کبیر کا خاص مقصد

معلوم ہوتا ہے جو اسلام کی تعلیم کا مقصد اولین تھا، سکھ مذہب کی اہتماء بھی اسلامی اثر کے ماتحت معلوم ہوتی ہے اور اب بھی جماں کمیں سے یہ آواز آرہی ہے وہ اسلام ہی کی صدائے بازگشت ہے۔

## اسلام کی دعوت اتحاد کا صحیح مفہوم

ان تاریخی حقائق سے واضح ہوا ہو گا کہ اسلام نے وحدت دین کا جو تجھیں پیش کیا ہے وہ قدیم زمانہ سے لے کر آج تک مختلف ملکوں میں کس طرح پیدا ہوتا رہا ہے اور دنیا میں جو راز سب سے پہلے محمد رسول اللہ صلم کے قلب مبارک پر کھولا گیا، اس کی عملی شکلیں آپ کے بعد کمال کمال اور کیوں نکر ظاہر ہوئیں اسی بنا پر قرآن مجید کا وہ دعویٰ کس قدر صحیح اور واقعیت سے لبریز ہے جو اہل کتاب کے سامنے کیا گیا ہے اور جس میں بتایا گیا ہے کہ ہمارے اور تمہارے راستوں میں جو اختلاف ہے اس کے ذمہ دار ہم اور تم خود ہیں ورنہ ہمارے اور تمہارے اخدا ایک ہی ہے اور ہمارے تمہارے درمیان جھگڑا نہیں ہے۔ جھگڑا اتو�ب تھا جب اصول میں خلاف ہوتا اصول کو تو سب تسلیم کرتے ہیں البتہ فروع میں اختلاف ہے اور فروعی اختلافات کوئی اختلاف نہیں، یہود و نصاریٰ جنہوں نے اپنی فرقہ بندیوں سے دین میں تفریق پیدا کر دی تھی قرآن نے ان کو اصل دین یعنی ”دین قیم“ کی طرف بلا یا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ”تم سے وہی کہا گیا ہے جو تم سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا۔ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ تمہارا دین وہی ہے جو حضرت نوح اور حضرت ابراہیم وغیرہ کا تھا ساتھ ہی اس وحدت دین کا دوسرا رخ بھی اسی طرح سامنے رکھا گیا کہ جزئیات کے اختلاف کو چندال اہمیت نہیں دی گئی۔

چنانچہ قبلہ وغیرہ کے قریب میں اس حقیقت کو صاف طور

سے واضح کیا گیا۔ حالانکہ یہی چیزیں تھیں جن کی بنا پر یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو ہر سر باطل کہا کرتے تھے۔ قرآن نے اصل مقصد کے مقابلہ میں ان چیزوں کو نظر انداز کیا۔

## عقیدہ و حدت دین اور سیاسی اتحاد

حدت دین کی تعلیم کا ایک عملی اثر ہی تھا جو اور مذہب میں نظر نہیں آیا۔ اور یہ ایسی چیز ہے جس کو مذہب کے حدود سے باہر حکومت کے قوانین اور احکام میں خلاش کرنا چاہئے۔ یہودیوں کی نظر میں دنیا میں صرف دو ہی قویں تھیں بنو اسرائیل اور غیر بنو اسرائیل اور انہی دونوں تقسمیوں پر ان کے قانون کے جیادہ تھی۔ عیسایوں میں مذہبی حیثیت سے مسیحی یہود اور ملت پرست تین قویں تسلیم کی جاتی تھیں لیکن چونکہ ان کے مذہب میں قانون نہیں ہے اس لئے وہ اکثر امور میں رومان لاء کے ماتحت رہے لیکن رومان عیسایوں میں بھی دو ہی تقسمیں تھیں روی اور غیر روی۔ پارسیوں میں ایرانی اور غیر ایرانیوں کی تفریق تھی ہندو اور چنوج ذاتوں میں بھی ہوئے تھے۔

لیکن اسلام نے حدت دین کے تخلیل کی بنا پر قانون کی حیثیت سے دنیا کی قوموں کو چار حصوں میں تقسیم کیا اور ان کے علیحدہ علیحدہ حقوق قرار دیئے۔ جن پر بر امیر تیرہ صدیوں میں عمل ہوتا رہا۔ مسلمان، اہل کتاب شبه اہل کتاب، کفار اور مشرکین ان قوانین کی وجہ سے دنیا میں امن و امان اور مسلمانوں میں رواہاری پیدا ہوئی اور وہ اس قابل ہوئے کہ اپنے مذہبی عقائد پر بختی سے پابند رہنے کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ میل جوں پیدا کریں اور ”تعاون عمل“ کیلئے تیار ہوں۔

جو سیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ ملک مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بیانار کرنے کی قوت پیدا کرنا اسی عقیدہ کا کرشمہ تھا۔

## وحدت انسانیت

توحید کی تجھیل کے سلسلہ میں دو چیزیں ابتداء اور انتہا مانی جاسکتی ہیں ابتداء خدا کی حقیقی عظمت سے ہوتی ہے۔ اور انتہا انسان کے اصلی مرجبہ پر مشرک، مت پرست، ستارہ پرست، فطرت پرست، بتلوں کو جدہ کر کے پھرلوں کو پورج کے، درختوں کے آگے جھک کے، جانوروں کو دیوتا جان کے جنات اور خبیث روحوں کی دہائی پکار کے آسمانی مخلوقات کو ارباب جان کے، انسان کو خدا کہہ کے حقیقت میں اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ انہوں نے انسان کے رتبہ اور حیثیت کو نہیں پچاناد را اصل انسان کو پھر لوں سے، جانوروں سے درختوں سے، دریاؤں سے، پہاڑوں سے اور چاند تاروں سے کمتر جانتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ چاند اور سورج ان کے لئے نہیں بلکہ وہ چاند اور سورج کے لئے نہ ہیں، چاند، سورج، دریا، چالو، آگ، غرض فطرت کے تمام مظاہر سورج سے لے کر زمین کے رینگنے والے کیڑوں تک سب ان کے آقا ہیں اور وہ ان کی غلامی کے لئے پیدا ہوئے ہیں، انسانی برادری بھی دیوتاؤں کی حکومت کی وجہ سے اوپر کی پچی بلند پست، شریف و رذیل مختلف طبقوں اور ذاتوں میں منقسم ہو گئی تھی کوئی پیشوور کے مند سے کوئی ہاتھ سے اور کوئی پاؤں سے پیدا ہوا تھا اس لئے سب کے درجے بر ابرش تھے مساوات انسانی کا نام نہ تھا، مختلف جنسیں تھیں جن کا متحد ہونا ناممکن ہو گیا تھا، بابل، مصر، ہندوستان اور ایران کے حیا و مثمر دشائیں شاہزادے اپنے بنی نوع سے اس قدر راویخے ہو گئے تھے۔ کہ ان کا عزل و نصب انسان کے ہاتھ میں نہ تھا بلکہ دیوتاؤں اور فرشتوں کے ہاتھ میں تھا بلکہ وہ خود دیوتا اور رب اعلیٰ ہونے کے مدغی تھے۔

## مرتبہ انسان کا اعلان

محمد رسول اللہ صلیم نے آکر خدا کے سواہر شے کا خوف انسانوں کے دلوں سے نکال دیا۔ دنیا کے تمام پست و بلند اور نشیب و فراز کو بر ابر کیا۔ قوموں اور ذاتوں کا امتیاز اٹھادیا دلت، فقر، رنگ، دروپ، نسل، قومیت کے نشانات مت گئے اور فخر و غرور اور جبر و ظلم کا بازار سرد پڑ گیا سب انسان خدا کے ہدے 'سب اس کے سامنے بر الہ'، سب بآہم بھائی اور سب حقوق کے لحاظ سے یکساں قرار پائے۔

محمد رسول اللہ صلیم نے ہم کو بتایا کہ رات، دن، آنکاب، ماہتاب، ستارے، جانور، دریا، آگ، درخت، غرض کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے بنی ہے اور وہ اذیان کی خدمت گزاری میں مصروف ہے پھر اس انسان سے بڑھ کر اور کون ہاداں ہے جو اپنے خدمت گزاروں میں سے کسی کو اپنا مجبود بنائے۔

انسوں نے اپنی وحی کے ذریعے سے دنیا کو یہ نکتہ سمجھایا کہ انسان اس عالمِ خلق میں تمام مخلوقات سے اشرف ہے وہ خدا کی نیاہ کا فرض انعام دینے آیا ہے اس کا سر خلافت اللہ کے تاج سے ممتاز ہے! کروڑوں مخلوقات اللہ میں خدا کی امانت کا حامل وہی ہوا یہ منصب نہ فرشتوں کو ملا، نہ آنسانوں کو نہ زمینوں کو اور نہ پہاڑوں کو، قرآن مجید نے کہا کہ انسان بزرگیوں سے سرفراز، عالم مخلوقات میں سب سے بر ترا اور انعام و اکرام سے معزز ہے اس میں بروجر پر چھا جانے کی قوت ہے اس کی ہستی، معتدل قویٰ اور بہترین اندازے کے ساتھ مخلوق ہوئی ہے وہ کائنات میں خلیفۃ اللہ میں کر آیا ہے تو اب وہ کائنات میں خدا کے سوا کس کو سجدہ کرے؟

غرض محمد رسول اللہ کی تعلیم نے انسان کی پیشانی کو ہر چوکھت سے انخاکر صرف ایک خدا کے آستانہ پر جھکا دیا اور بتایا کہ دنیا کی ساری چیزیں انسان کے کام میں گلی ہوئی ہیں اور اسی کے لئے بنی ہیں اب بتاؤ کہ وہ زمین کی کس ہستی کے سامنے اپنا سر جھکا۔؟

دنیا نے انسانیت کی اس بلند سطح، حقیقت شناسی کے اس اعلیٰ تخلیل اور ادائے فرض کے اس قوی احساس تک جو ترقی کے قدم اٹھائے ہیں ان کا مبداء اور دیباچہ بھی قرآنی تعلیمات تھیں۔ جنہوں نے انسان کی حقیقت اس پر آہنگار کر کے اس کو خود شناس بنایا۔ اوابے فرض کی صورتیں سمجھائیں، افراد و اقوام کی شیرازہ بندی کی اور ان کو ایک سطح پر لا کر مکر گنگی کا لاطف پیدا کیا، یہی چیز تھی جس سے بھری لور لونٹ چڑانے والے انسان، عالم کے گلہ بان بن گئے۔ ریت کے ذردوں سے کھینے والے بدھی سیم وزرلور تخت و تاج پر بازی لگانے لگے، صحراء کی پشت پر لیٹنے والی قومیں کیوان کی چھٹ پر مسربیاں تھھاتی تھیں اور چند مختاروں کے مالکوں کا غرہ چارواں گہر عالم کو س ملن الملک جاتا تھا۔

## ہر قسم کی تفریقات کا ابطال

انسانوں نے فخر و غرور سے اپنی ایک متحدہ انسانیت کو سینکڑوں حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ بادشاہوں نے خدائی کا مرتبہ پایا تھا اور ان کو سجدے کئے جاتے تھے اور ان کے احکام خدائی فرماں کی صورت رکھتے تھے بابل کے نمرود اور مصر کے فرعون جو آنار تُکُمْ الْأَعْلَى کا غرہ لگاتے تھے۔

محمد رسول اللہ ہی کی آواز تھی جس نے ان کو ان کے تحت جبروت سے اتر کر عام انسانوں کے درجہ میں لا کر بھایا اور خدا کے سوا کسی کو شہنشاہ اور بادشاہ کہنا بھی ناپسندیدہ قرار دیا۔ (صحیح بخاری)

اسی طرح اہل نذہب نے رسولوں، ولیوں اور شہیدوں کو خدائی اور الوہیت تک پہنچا دیا تھا محمد رسول اللہ صلیم نے ان میں سے ہر ایک کو بندگی اور عبودیت ہی کے مختلف مدارج اور مراتب پر منعین کیا اور سب کو یکساں خدا کا بندہ اور فرمانبردار قرار دیا۔

قوموں نے بھی اپنے لئے الگ الگ ربیتے اور درجے قائم کر لئے تھے بنی اسرائیل اپنے کو خدا کا بنہ کرتے تھے، ہندوؤں میں برہمن خدا کے مبلغہ سے راجپوت اس

کے بازوں سے، شور اس کی ٹانگوں سے پیدا ہوئے تھے۔ روم میں رومنس خاص بادشاہی کے لئے اور تمام غیر رومن صرف غلامی اور خدمت گاری کے لئے تھے اس طرح قوموں میں پستی و بلندی، عزت و ذلت پاکی و ناپاکی کی وہ امتیازی دیواریں قائم تھیں جنہوں نے ایک انسانیت کو سینکڑوں انسانیتیوں میں منقسم کر دیا تھا وہ محمد رسول اللہ صلیم ہی کی آواز تھی۔ جس نے امتیازی تفریق کی ان مدعی قوموں کو سب سے پہلے یہ خطاب کیا۔

**بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّنْ خَلْقٍ** تم بھی خدا کی دوسری گلوقات میں سے انسان ہو۔ اور تمام امتیازات کی دیواروں کو دفعتاً مندم کر کے سب کو انسانیت کی ایک سطح پر لاکھڑا کر دیا۔ فرمایا۔

اے انانوں! ہم نے تم کو خاندان اور قبیلے  
ناکر اس لئے پیدا کیا کہ تم آپس میں ایک  
دوسرے کو پچاؤ پیش کردا کے نزدیک تم  
میں سب سے معزز ہو ہے جو تم میں سب  
سے زیادہ پر ہیز گار ہے

**يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ  
شُعُوبًا وَّ قَبَائِلَ لِتَعَاوَرُوا إِنَّ  
أَحَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقْرَبُكُمْ**

قومیت خاندان اور پیدائشی بزرگی اور بڑائی کے تمام امتیازات کا آج خاتمه ہو گیا اور ہندوئر ہمن یہودی، لادیوں اور عیسائی پوپوں کو اسی طرح سطح وجود سے منادیا گیا جس طرف دوسری طرف نمروں، فرعونوں، قارنوں اور ہمانوں کو منادیا تھا۔ ایک آدم سے تمام انسانی قوموں کا پیدا ہو کر پھینا اسلام سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں میں محض آغاز پیدائش (کسموگریفی) کے ایک نظریہ کی حیثیت رکھتا تھا آنحضرت صلیم نے اس کو اخلاقی تعلیم کا سانگ بیان قرار دیکر اس پر انسانی وحدت کی وہ عظیم الشان عمارت کھڑی کی جوانشاء اللہ اب کبھی مندم نہ ہو گی۔ مغربوں عربوں کے سب سے بڑے مجمع میں کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا۔

الله نے جاہلیت کا غرور اور باؤں پر فخر کا  
دعویٰ باطل کر دیا تم سب ایک آدم کے  
بنئے ہو اور آدم مٹی سے تھا۔

انَّ اللَّهَ أَذْهَبَ مِنْكُمْ عَصْبَيَةَ  
الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخَرَ كَمْ بِالاَبَاءِ  
كُلَّكُمْ بَنُو آدَمْ وَآدَمْ مِنْ تَرَابٍ

عرب کو عجم پر، عجم کو عرب پر، گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر جو  
اتیاز کا دعویٰ تھا۔ آج جو باطل ہو گیا اور اعلان ہوا۔

عرب کو عجم پر فضیلت نہیں اور نہ عجم کو  
عرب پر۔  
نہ گورے کو کالے پر فضیلت ہے اور نہ  
کالے کو گورے پر۔

لَا فَضْلٌ لِّعَرَبٍ إِنَّمَا عَجَمٌ  
وَلَا لِّعَجَمٌ إِنَّمَا عَرَبٌ  
لَا فَضْلٌ لِّأَحْمَرٍ إِنَّمَا أَسْوَدُ وَلَا  
لَا سَوْدٌ إِنَّمَا أَحْمَرٌ

غرض یہ وہ تعلیم تھی جس نے تمام انسانوں کو ایک کرو دیا۔ عرب ہوں کہ  
عجم، فرنگ ہوں کہ زنگ، ہندو ہوں کہ چینی سب انسانی اخوت کی ایک ہی صفت میں دشمن  
بدوش کھڑے ہو گئے۔ توحید اور عموم رسالت کے اقرار پر کل دنیا کے انسان باہم  
بھائی بھائی قرار پائے تھوڑی کے سوا ہر پیدائشی اور فرضی اتیاز باطل ہو گیا اور دنیا کو یہ  
نہادی گئی۔

ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ایک  
دوسرے سے کینہ رکھو اور اے خدا کے  
ہندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

لَا تَحَسَّدُوا وَلَا تَبَا غَصُّوا  
وَكُونُوا يَاعِبَادَ اللَّهِ إِخْوَانًا

ان عظیم الشان غلطیوں میں سے جن میں لوگ ہمیشہ سے بتلا تھے ایک یہ  
تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ دین اور دنیا دو مختلف چیزیں ہیں دونوں کا دائرہ الگ الگ ہے جو

دین کو اختیار کرتا ہے وہ دنیا سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور جو دنیا اور خارف دنیا پر نظر ڈالتا ہے اس کے ہاتھ سے دین کا دامن چھوٹ جاتا ہے اس خیال نے اگرچہ ایران، ہندوستان، چین اور دیگر ممالک مشرقی میں عملی شکل اختیار کر لی تھی اور راہبائی صومعہ نشین بادشاہی لشکر ممکن کے حدود زندگی اور دائرہ عمل میں ایسی حد فاصل قائم کر دی تھی کہ دونوں کا اجتماع و تعاون تقریباً ممکن ہو گیا تھا تاہم اس سلسلہ میں زیادہ قابل توجہ وہ تو میں تھیں جو اپنے کو صاحائف آسمانی کا پیرو اور سفیران الٰہی کا مخاطب اول سمجھتی تھیں۔ ہندو بدھ کنفوشی اور زر تشتی نقطہ ہائے نظر سے زیادہ قابل غور وہ تخیل تھا جس میں انسانوں کی تقسیم کردی گئی تھیں کہ ان میں کچھ دین کے کارکن تھے اور کچھ دنیا کے ہندوؤں میں خلقت برہمن دین کے لئے، راجپوت بادشاہی کے لئے دیش بیوپار اور کاشت کاری کے لئے اور شودر محنت و مزدوری کے لئے تھے اور ان کی عمر وہ کی بھی تقسیم کردی گئی تھیں کہ تمیں برس تعلیم کے اور تمیں برس کمانے کے اور تمیں برس عبادت کے۔ بودھوں میں بھکشو الگ کر دینے گئے تھے جن کا کام صرف دھرم سیوا تھا اور دنیا دار الگ تھے جو دنیا کا کاروبار کرتے تھے اور جن پر بھکشوؤں کے تمام اخراجات کا بار تھا۔

یہودیوں میں لاوی دین کے کامن تھے وہ دنیا کے کاموں سے الگ رکھے گئے تھے وہ خاندانی ترک و وراثت سے بھی محروم تھے کہ یہ دنیا کی چیزیں تمیں اور باقی لوگ دنیا دار تھے۔ عیسائیوں نے اس امتیاز اور تفریق کی دیوار کو اور زیادہ بلند کر دیا تھا انہوں نے تو خدا اور قیصر اپنے دو حکمران فرض کئے تھے اور یہ تعلیم پائی تھی کہ جو خدا اکا ہے وہ خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو۔

یہود و نصاریٰ نے اس غلط خیال کے مطابق اپنے کو ڈھالنے کی جس طرح کوشش کی اس کی عملی شکل دو مختلف طریقوں سے ظاہر ہوئی یعنی یہود نے عقبی کا

حاصل دنیا کو سمجھا اور نصاریٰ نے عقیٰ کو یہود کی حکومت و سلطنت مال و دولت اور تمام سودی کاروبار کا مبنی صرف یہ خیال تھا کہ انسان کے اعمال و افعال کا مر جع دنیا ہے اس لئے انہوں نے دین کو بالائے طاق رکھ کر اپنی توجہ تمام تردیا وی چیزوں تک محدود رکھی۔ اور ہر نیکی کا معاوضہ اسی دنیا کی نعمت کو سمجھا اور اسی لئے ان میں ایک بڑا فرقہ وہ تھا جو صرف دنیا وی انعامات پر اعتقاد رکھتا تھا اور آثرت کا قطعاً منکر تھا خلاف اس کے اگلے نصاریٰ نے زرخاف دنیوی کو ہاتھ نہیں لگایا وہ ہر نعمت کو آسمانی پادشاہت میں ملاش کرتے رہے اس نے راہبانہ طریقہ زندگی اور زاہدانہ طرزِ معیشت اختیار کیا۔

## اسلام کی تعلیم

لیکن پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ذریعہ سے جب اسلام آیا تو اس نے دنیا کی اس قدیم غلط فہمی کو دور کیا اور بتایا کہ یہ دونوں چیزیں دو نہیں بلکہ ایک ہیں۔ دین و دنیا ہے اور دنیا دین ہے دین میں جب خواہشات نفسانی شامل ہوں تو دنیا ہو جاتا ہے اور دنیا میں احکام الٰہی کا تینچھیں پیش نظر ہو۔ تو دین ہو جاتی ہے اس طرح جو چیز ان دونوں کے درمیان حد فاصل قائم کرتی ہے۔ وہ انسان کا نقطہ نظر ہے اگر وہ صحیح ہو تو پھر یہ حد بھی قائم کرتی ہے اور دونوں چیزیں ایک ہو جاتی ہیں وہی حکومت و سلطنت جس کو دنیا سمجھا جاتا ہے اگر وہ خدا کی مرضی کے لئے کی جائے تو دین ہو جاتی ہے۔ مال و دولت جمع کرنا دنیا ہے لیکن اگر احکام الٰہی کے تحت ہیں اس سے حق والوں کی خدمت پیش نظر ہو تو دین ہو جاتا ہے۔ خود کشی دنیا ہے لیکن اگر احکام خداوندی کی تعمیل میں کوئی اپنی چان فدا کرے تو شہادت کی شکل پا کر دین ہو جاتی ہے۔

پیغمبر اسلام فداہ ابی و ابی نے عملی شکل میں ہم کو یہ صورت بتائی۔ آپ کی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قیام لیل، عبادت شبانہ۔ تلاوت قرآن، تبلیغ احکام، غزوہ، و فتوحات، مہمات سلطنت کی مصروفیت غرض آپ کی سیرت کا ایک ایک واقعہ دین بھی

تھا اور دنیا بھی عین اسی وقت جب آپ پر سکندر و قیصر ہونے کا دھوکا ہوتا تھا آپ سفرِ الٰہی اور فرشتہ یزدانی نظر آتے تھے آپ کے بعد آپ کے خلافاء اور صحابہ رضوان اللہ علیم نے بھی اس نکتہ کو واضح کیا اور ان کے تمام زریں کارناموں کے اندر وہی روح نظر آئی جو دین اور دنیا کی ترکیب و امتراج سے پیدا ہوئی تھی اور جو قرآن پاک کے منشاء کے عین مطابق تھی قرآن مجید نے متعدد آیتوں میں انسانی اعمال کی جزا کو دنیا اور دین دونوں سے متعلق فرمایا ہے یعنی یہ بتایا ہے کہ انسان کو نیکی یا بدی کا پھل دنیا میں بھی ملتا ہے اور عقیقی میں بھی ملتے گا یہ نکتہ صحابہ کرام کے بعد عرصہ تک مسلمانوں کے پیش نظر رہا۔ اور جب تک وہ اس کو سمجھتے رہے ان کے تمام اعمال و افعال میں بھکریلی رنگ نمایاں رہا۔

ان کی دنیا عین دین رہی اور دین عین دنیا۔

## مسلمانوں کے زوال کا حقیقی سبب

لیکن جب اس سے نقطہ نظر میں تبدیلی واقعہ ہوئی ان کے کام ابڑا ہو گئے اور ان میں اسلام کے جائے یہودیت اور نصرانیت کا رنگ جملکنے لگاں میں اہل کتاب کی طرح دین اور دنیادو مستقل اور جداگانہ چیزیں قرار پائیں بعض اعلانیہ دنیا کو اختیار کر کے دین سے غافل ہو گئے اور یہود کے خیال کو زندہ کر دیا۔ بعض نے ترک دنیا کر کے گوشہ نیشنی کو ترجیح دی اور عیسائیوں کی راہبانہ زندگی کی یاد تازہ کر دی اس کی ایک محسوس اور بین مثال خلافت کے حدود میں طبق ہے پسلے خیال کے سلط کے زمانہ میں خلیفہ دینی مقنده اور دنیاوی سردار کی حیثیت سے تعلیم کیا جاتا تھا لیکن جب دوسرا خیال مستولی ہوا تو ملوکیت اور پاپائیت کی صورت پیدا ہو گئی یعنی نہ ہی پیشوں الگ ہو گئے اور دنیاوی حکومت سلاطین کے قبضہ و اقتدار میں چلی گئی۔ اس تفرقی نے مسلمانوں کی قومی قوت کو اور اجتماعی شیرازہ کو جس طرح توڑا اور منتشر کیا اس کے شواہد تاریخی و فتنے سے باہر ان کی موجودہ حالت کے اندر آج بھی ملتے ہیں جن کو ماہروں کے قلمیں تاریخ

کے علاوہ امراض قوی کا ہر بیض شناس آج بھی سمجھ سکتا ہے اور جب کہ ہم اپنی موجودہ ابتوں اور پستی کا احساس کر کے اس مرکزی خیال کی طرف عود کریں جو ہماری ترقی، سر بزیری اور تفوق کا ضامن تھا جس کے اندر اسلام کی روح جلوہ گر تھی اور جو یہ سودا بیت و عیسائیت سے بالکل علیحدہ تھا۔

آج مسلمان قومیں یا تو یہودی تخلیل کا شکار ہیں اور یا عیسیوی تخلیل کا۔ محمدی دعوت آج اکثر ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے آج ممبر اور تخت دو سمجھے جاتے ہیں اور پہ سالار اور امام نمازوں کو روہ ثہرائے جاتے ہیں حالانکہ ہمارا ممبر اور تخت ایک تھا اور ہمارے پہ سالار ہی ہماری نماز کے امام ہوتے تھے۔

## اسلام کی طرف آؤ

مسلمانوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کو ایک مدت سے فراموش کر دیا ہے انہوں نے بھی دین و دنیا کے حدود مقرر کرنے لئے ہیں اور خدا اور قیصر و شہنشاہوں کی رعایاں گئے ہیں وہ سلطنت و حکومت اور تجارت و کسب زر اور تعلیم ہنر کو دنیا کا کام اور صرف نمازوں روزہ اور تسبیح و دُنیوی خوانی کو دین کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ حسن نیت ہو تو ہر دنیاوی جدوجہم، ہر سیاسی سعی و فکر، ہر تعلیمی عمل و خدمت ہر تجارتی شغل و کاروبار، ہر صفتی ترقی و اقدام اور ہر ایجاد و اختراع سراسر دین ہے اور حسن نیت نہ ہو تو رات بھر کی نمازوں اور دن بھر کا روزہ دین نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مذہب کو پیش کیا ہے اس میں دین و دنیا کی تفریق اگر کسی معنی میں ہے بھی تو کاموں کے امتیاز کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ دلوں کی نیتوں کے فرق کی وجہ سے ہے اور یہی وہ زمانہ ہے جس کی بناء پر اسلام جب دین بن کر آیا تو ساتھ ہی ساتھ سلطنت و حکومت کا پیام بھی لاایا۔ یو دھ مذہب میں دین الگ سے آیا اور دنیا الگ سے بنی اسرائیل کو دین ملنے سے چار برس کے بعد سلطنت ملی، عیسائیت کو حضرت عیسیٰ کے صدیوں کے بعد تخت کامنہ دیکھنا نصیب ہوا۔ لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جس وقت مدینہ منورہ میں اپنے دین کا تمثیل نسب فرمایا اسی وقت دنیا کا تخت بھی بھٹک گیا اور اسی وقت عظیم الشان وروحانی و تجارتی و سیاسی، علمی و تعلیمی غرض تدن و تہذیب کے تمام شعبے اپنی اپنی جگہ پر قائم ہو گئے تھیں برس کے اندر اندر خلیج فارس سے لے کر بزرگ نامہ تک دین و اخلاق، علم و عمل، عدل و انصاف، اخوت و مددات اور تہذیب و تدن کی ایک نئی دنیا پیدا ہو گئی۔ اہل اسلام اور اہل کتاب کی مشترکہ و متعدد قومیتیں نے انسانی اخوت کی ایسی نظیر پیش کی جس کی مثال دنیا نے نہیں دیکھی تھی اور عرب و عجم، ترک و چین، ہندو روم اور بربر و جنش نے مل کر کے علم اتحاد کے زیر سایہ ایسی اخوت عامد کی بیان و اعلان دی جس کے مناظر اس دور ترقی میں بھی نظر نہیں آسکتے۔

اس تھوڑی سی مدت میں انقلاب کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ دین و دنیا کے کاموں کی تفریق کی دیوار اس نے ڈھادی تھی رہبانتی اور گوشہ نشینی کا کام اس نے عبادت نہیں رکھا تھا بلکہ ملکوں کے فتوحات ہوں مدرسوں کی تاسیس ہو تجارت کے بڑی و بڑی سفر ہوں جنگی مشاغل ہوں یا امن و صلح کی کوششیں ہوں حصول رزق اور کسب دولت کی صحیح مساعی ہوں یا غریبوں، تکھسوں اور مسافروں کی امداد کے کام ہوں، آں والوں اور زن و فرزند کی مخلصانہ خواہش یا خدا اکیلے تن تھا جدوجہد اور جہاد ہواں میں سے ہر کام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب میں دین تھا اس لئے ایک مسلمان کی زندگی کا ہر شعبہ ہر سعی و محنت اور جدوجہد جو خدا کی مرضی کے حصول کی خاطر ہو سر اسردیں ہے۔

مسلمانوں کی گزشتہ تباہی و بر باوی کا اصلی سبب یہی ہوا کہ انہوں نے دین و دنیا کی اس وحدت کے نکتہ کو فراموش کر دیا۔ بادشاہ دنیاوی کا روبار کا اور شیخ الاسلام دینی معاملات کا ذمہ دار تھا اور عیسائیوں کی طرح دین الگ اور دنیا الگ قیصر الگ اور خدا الگ قرار دیا گیا ہے دینی کاموں کی فرست الگ، ہنائی گئی اور دنیاوی کاموں کی فرست الگ تیار کی گئی کچھ لوگوں نے اپنے کو خانقاہوں مسجدوں اور حجروں میں بند کر کے اپنے کو دین کا خادم کہلایا اور کچھ لوگوں نے دنیا کے بازاروں اور جدوجہد کی صفوں میں پہنچ کر

اپنے کو دنیادار قرار دیا نتیجہ یہ ہوا کہ الہ دین ہونے کے مدعا دنیا کے کاموں کے لائق  
نہ رہے اور کھلم کھلا الہ دنیا کملانے والے خدا کے خوف و حیثیت کو بھلا اور اس کی  
رضائیکی دولت کو کھو بیٹھے۔

اب امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ پر فرض ہے کہ وہ دین و دنیا کی  
وحدت کے اس راز کو سمجھے اور اپنی نجات و فلاح کی تدبیر تلاش کرے۔

# ایمان



## جماعتوں کی تنظیم

### کسی ذہنی اساس ملت اور بنیادی عمل سے ہوتی ہے

دنیا کی وہ تمام عظیم الشان قومیں جنہوں نے دنیا میں کوئی بڑا کام کیا ہے یا جو دنیا میں کوئی بڑا کام کرنا چاہتی ہے، ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے پوے نظم امام ہستی کو تسلی ایک فتاون پر بنی کریں اور اپنی تمام منتشر قوتوں کو کسی ایک اصول کے تحت مجتمع کریں۔ زندگی کے سینکڑوں شعبے اور بقاعے ہستی اور ترقی کے ہزار ہاشاخ در شاخ اعمال جو دیکھنے میں تمام تر منتشر پر آنندہ، متفرق اور ایک دوسرے سے الگ نظر آتے ہیں، ان سب کے درمیان ایک واحد نظام، ایک متحده اصول، ایک مشترکہ جامعیت پیدا کریں، جن کا شیرازہ ان متفرق و پر آنندہ اور اراق کو ایک منظم کتاب بنادے۔

دنیا جب سے بنی ہے، تب سے آج تک ہزار ہاؤ میں پیدا ہوئیں اور مری ہیں لیکن کسی قوم نے اس وقت تک ترقی نہیں کی ہے جب تک اس کے اندر اس کی زندگی کا کوئی واحد نظام نہیں پیدا ہوا ہے، اور کسی واحد تخلیق نے ان کے اندر یہ اہمیت نہیں پیدا کر لی ہے کہ وہ اس کے تمام افراد کی زندگی کی غرض و غایبت اور اس کے تمام اعمال کا مرکز و مرجع اور جست قبلہ نہ بن گیا ہو، ہی واحد تخلیق بڑھ کر واحد جماعت اور

اس سے بھی زیادہ تجھیل کر ایک واحد ملت کی تخلیق و تکوین کرنا ہے۔

ہم اس کو ایک مثال میں سمجھانا چاہتے ہیں؛ روم کی سلطنت کا آغاز ایک گاؤں سے ہوا، اور رفتہ رفتہ یہ نقطہ بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ صدیوں میں ایک عظیم الشان سلطنت بن گئی۔ اس دارہ کا نقطہ خیال، مرکز اتحاد، جنت، اشتراک، اساس جامعیت، رومیت قرار پائی جس نے رومیت کے اصول کو تسلیم کیا، اس کو شہر روم کے باشندوں کے حقوق عطا ہوئے۔ اور جس نے قبول نہ کیا، یا جس کو یہ شرف خود رومیوں نے عطا نہیں کیا، وہ ان حقوق سے محروم رہا۔ صدیوں تک یہ رومیت، روی قوم کی زندگی کا شعلہ، حیات رہی اور اسی کی روشنی میں پورا و مکن امپارا چین سے لیکر شام تک جگھا گا تا رہا، مگر جیسے جیسے یہ روشنی ماند پڑتی گئی اندھیرا اچھا گیا اور جیسے جیسے یہ روی عمارت کی یہ مسحکم بیاد کر دو پڑتی گئی، ذہنی گئی، یہاں تک کہ ایک دن یہ عمارت گر کر زمین کے بر لہر ہو گئی۔

الفرض قوموں کی موت و حیات کسی ایک "تجھیل" کی موت و حیات پر موقوف ہے۔ جس کی زندگی سے ان کی زندگی اور جس کی موت سے ان کی موت ہے۔ گذشتہ جنگ میں اور اس جنگ میں بھی آپ سمجھتے تھے اور سمجھتے ہیں کہ انگریز، جرمن، یا جرمن، انگریز سے لڑ رہے ہیں۔ نہیں، انگریزیت جرمنیت سے یا جرمنیت انگریزیت سے لڑ رہی تھی اور لڑ رہی ہے، قوم، قوم سے نہیں لڑ رہی ہے، بلکہ ایک یقینی تجھیل دوسرے یقینی تجھیل سے لڑتا ہے۔

قوم کی زندگی کا وہ یقینی تجھیل، اس کے تمام کاموں کی اساس و بیادِ عن جاتا ہے۔ پوری قوم اور قوم کے تمام افراد اس ایک نقطے پر جمع ہو جاتے ہیں، وہ نقطہ ماسکہ ان کی پوری زندگی کا محورِ عن جاتا ہے۔ اسی ایک تجھیل کا رشتہ منظر افراد کو بھائی بھائی بناتا کر ایک قوم کے مشترک افراد ترتیب دیتا ہے۔ اور ایک واحد، متحد، منظم اور قومی قوم بناتا کر

کھڑا کر دیتا ہے۔ جب بھی دو قوموں کا مقابلہ ہو گا تو ہمیشہ اس کو فتح ہو گی، جس کا نقطہ تخلیٰ زندگی دست ہو گا، اور جس کے افراد اس رشتہ حیات میں سب سے زیادہ محکم ہدایت ہوں گے، اور جو اس مشترک اساس و بنیاد پر سب سے زیادہ تشقق و متحد ہو گئے، عربوں نے اسی قوت سے قیصر و کسری کو ٹھکست فاش دی، عربوں کے پاس ایرانیوں کے خزانے اور نہ رزمیوں کے اسلوب تھے۔ مگر ان کے پاس وہ قوت ایمانی تھی جس سے ایرانی اور رومی محروم تھے۔

جب کوئی قوم تنزل پذیر ہوتی ہے، تو اس کی وہی قوت ایمانی کنز در ہو جاتی ہے، اس کی وہی مشترک اساس و بنیاد مندم ہونے لگتی ہے، اور قوم کی زندگی کا مقصد اس مشترکہ قومی غرض و نتائج سے ہٹ کر اپنے اپنے نفس، اپنے اپنے خاندان، اپنی اپنی جماعت میں مٹ جاتا ہے، اسلئے اس میں قومی خائن پیدا ہوتے ہیں، جن کے پیش نظر اس مشترکہ جامعیت کے فوائد و نقصانات کے جائے خود اپنی ذات و خاندان کا فائدہ و نقصان ہوتا ہے۔

مٹھی بھر انگریزوں نے ہندوستان کے روپ سے ہندوستان کے سپاہیوں سے خود ہندوستان کو فتح کیا، حالانکہ اس وقت پورے ملک میں اودھ، رومیلکھنڈ، بھال، مرہشہ، میسور، حیدر آباد کی ایسی عظیم الشان طاقتیں تھیں، جن کے میں میں تھا کہ انگریزوں کو پوری طرح ٹھکست دیدیں، مگر ایسا نہ ہوا کہ ان لئے کہ انگریزوں کے سامنے ایک متحده مشترکہ تخلیٰ تھا، جس پر پوری قوم تشقق تھی۔ جو انگریز جہاں بھی تھا چاہے دہ سپاہی ہو یا گودام کا گلکر ہو، یا سوداگر ہو، یا ڈاکٹر ہو، یا جزل ہو، یا گورنر ہو، یہر ایک کے سامنے ایک ہی بلند مقصد تھا، اور وہ انگلستان کی سر بلندی اور عظمت، لیکن ہندوستانیوں کے سامنے باوجود طاقت و قوت کے کوئی ایک متحده غرض، مشترکہ

جامعیت، واحد اساس کار اور متفقہ بیان عمل نہ تھی، جس کا جاؤ جس کی حفاظت اور جس کا اعلاء پوری قوم کی غرض و غایت اور بیان و اساس ہوتی، ہر نواب، ہر کمیں ہر سپہ سالار، ہر سپاہی، اور ہر نوکر کا مقصد اپنی فکر اور اپنی ترقی تھی، اس حالت میں نتیجہ معلوم۔

اب ایک اور حیثیت سے نظر ڈالئے، دنیا کی ہر متمدن قوم کے پورے نظام زندگی کا ایک اصل الاصول ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ آج روی باشوسٹ کے سارے نظام کا ایک واحد نقطہ خیال ہے۔ اور وہ سرمایہ داری کی مخالفت ہے، جو اس نظام کی اصل اساس ہے، اب جس قدر اس نظام کی شاخین، شعبے، صیغہ اور کام ہیں سب ایک اصل الاصول یعنی "سرمایہ داری کی مخالفت" پر مبنی ہیں، اسی طرح ہر ترقی یافتہ قوم کے تمدن اور نظام ہستی کا ایک اصولی نقطہ ہوتا ہے، جس کے تحت میں اس تمدن اور نظام ہستی کے تمام شبے اور فروع ہوتے ہیں۔

اسی طرح آج انگریزی جدوجہد کی بیان، انگریزی سرمایہ داری، امریکن تمدن کی بیان، امریکن سرمایہ داری، نازی تمدن کی بیان، جرمن قوم کی سربلندی، اور فرانس کی بیان، پرانی روی قیصریت کی دوبارہ تعمیر پر ہے۔ اگر کسی تمدن اور نظام کا یہ سرانکال دیا جائے تو اس تمدن کے تمام اجزاء اور اس نظام کے تمام شبے، بے معنی، بے سود اور بے اساس ہو کر رہ جائیں اور چند ہی روز میں وہ تمام سرشتے تاریخیں ہو کر نابود ہو جائیں، اسی لئے ہر قومی تمدن اور نظام ملت کو سمجھنے کے لئے اس کے اس اساس کار، سرشتہ خیال، اور اصل الاصول کو سمجھنا چاہیے، جب تک وہ سراہاتھ نہ آئے گا اس نظام ملت کا الجھاؤ سمجھ نہیں سکتا۔

## ملتوں کا اختلاف متحیله کے اختلاف سے ہے

اس نکتہ کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ دنیا میں گوہزادوں ملتیں اور قومیں ہیں، لیکن ان میں سے ہر ایک ملت و قومیت کا اصل انفرادی تشخض، اور امتیازی وجود، اس

کے گوشت، پوست، ہڈی اور رنگ دروغن سے نہیں، یہ تو اپری سطح اور ظاہری قشر کے نشانات اور خطوط ہیں۔ ان کا اصل انفرادی اور مستقل تشخص اور امتیازی وجود ان ایمانیات اور ملینیات سے ہے، جو ہر ایک کے دل میں لے اور ہر ایک کے رگ و ریشہ میں رچے ہوئے ہیں۔

آج ہندوستان میں ہندو، مسلمان، عیسائی، پارسی، جمین، سکھ ہزاروں قومیں آباد ہیں، مشکل و صورت اور رنگ و روپ کے لحاظ سے ان میں کوئی تفاوت نہیں، اگر ہے تو ہر ایک کے اس تخلیہ میں ہے جس سے اس کی ملت کی تغیری ہوئی ہے اس لئے کسی ملت کے تخلیہ کو بدلت دینے کے معنی اس ملت کو متادینے کے مترادف ہے دنیا میں جو کمزور قومیں فنا ہوئی ہیں ان کی صورت یہی ہوئی ہے کہ انہوں نے اپنا تخلیہ ایمانی چھوڑ کر کسی دوسری طاقت ور قوم کے تخلیہ ایمانی کو قبول کر لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوم مٹ گئی، اور دوسری قوم میں ضم ہو کر وہ خود فنا ہو گئی، ہندوستان کے یونانی، سیکھی اور بودھ کیا ہوئے؟ ایرین ہندوؤں میں سما گئے، ایران کے جوی کدھر گئے، مسلمانوں میں مل گئے، مصر کے قبطی کمال گئے، عربوں میں شامل ہو گئے، سلی اور ایشیان کے عرب کیا ہوئے، اٹلی اور اسپین والوں میں گھل گئے۔

## تجدید کی سعی بھی اسی تخلیہ کی مدد سے ممکن ہے

کسی قوم و ملت کی اس تغیری حقیقت سے باخبر رہنا صرف اس لئے ضروری نہیں کہ وہ ہے، اور وہ اس سے بنی ہے بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی تجدید و اصلاح کی جب کبھی ضرورت پیش آئے تو اس حقیقت کا واقف کارا اسی کے ذریعہ سے اس کی تجدید و مرمت کرے۔ اس کی وہ تغیری حقیقت وہ ساز ہوتا ہے جس کے چھیڑنے سے اس قومنیت و ملت کا ہر تاریخی جگہ پر حرکت کرنے لگتا ہے۔ اہل توحید کے لئے توحید کی آواز اہل صلیب کے لئے صلیب کی پکار مگا و پورست کے لئے گائے کی

آواز، سحر و ظلم کا حکم رکھتی ہے، جس سے ایک نبھ میں قوم کی قوم میں جان پڑ جاتی ہے اور ست و ناکارہ قوم بھی کروٹیں بد لئے لگتی ہے، اور آواز کی طاقت کے مطابق سرگرم عمل ہو جاتی ہے۔

فرض کرو دنیا میں آج چالیس کروڑ کی تعداد میں ایک ملت آباد ہے جس کا نام مسلمان ہے اس ملت کی حقیقت کیا ہے؟ توحید اللہ اور رسالت محمدی پر ایمان لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ اُكْرَوَيَ اس ملت کی حقیقت تغیری کو مناذ اے تو یہ چالیس کروڑ ملت واحدہ چالیس کروڑ قومیتوں میں منقسم ہو کر دم کے دم میں فنا ہو جائے گی اور یہ چالیس کروڑ افراد کا کاروں جو ایک صدائے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے جرس پر حرکت کر رہا ہے اب اس کی حرکت کے لئے مختلف آوازوں کے چالیس کروڑ جرسوں کی ضرورت پیش آئے گی جس سے دنیا کی قوموں کا تصادم جائے کم ہونے کے حد تیاس سے زیادہ بڑا ہے جائے گا اور ان کے باہمی جنگ و جدوجہد کوئی ایک متحده آواز روک نہیں سکتی۔

الغرض ملت کی یہ تغیری حقیقت، ہر ملت کی روح ہوتی ہے، اس کی بقاء سے اس کی زندگی اور اس کی موت سے اس کی فنا ہوتی ہے، یہی ملت کے جسم کا گرم خون ہے جس سے رُگ میں زندگی کی لہر دوڑتی ہے، اور سی و عمل کی قوت یہ اڑا ہوتی ہے۔

کسی قوم کی اس اساس ملت اور بیناد تغیر سے ہٹ کر جب کبھی اس تجدید کا کام کیا جائے گا تو وہ ساری کوشش بے کار جائے گی، فرض کرو کہ ایک ہندو قوم ہے اس کی قومیت کی بیناد وہ خاص تخلیقات و جذبات ہیں جو ہزار سال سے اس میں پیدا ہو کر اس کی حقیقت کے اجزاء ملن گئے ہیں۔ ذات پات، چھوٹوں چھات گائے، اور گنگا دہ ممالے ہیں جن سے اس کی قومیت کی تغیر ہوئی ہے بودھ کے عمد سے آج تک مختلف و تقوں

میں بیسیوں ریفارمر اس قوم میں پیدا ہوئے جنہوں نے اس قوم کی ماہیت کے ان اجزاء کو بدلتا چاہا۔ مگر کیا یہ آج تک ممکن ہوا؟ اور جب کبھی اس آواز میں عارضی کامیابی بھی ہوئی تو بودھ، جہیں کبیر پنچتی، سکھ تو میں اور الگ الگ بن گئیں، مگر ہندو قومیت اپنی جگہ پر قائم رہی۔

مسلمانوں میں اسلامی حکومت کے زوال کے بعد سے آج تک بیسیوں تحریکیں مسلمانوں کی تجدید اور نشانہ ٹانیہ کی نام سے اٹھیں اور پھیلیں، مگر جو کامیابی مولانا اسماعیل شہیدؒ کی تحریک کو حاصل ہوئی اور اس نے مسلمانوں کی ذہنی و عملی قوی کو بیدار کرنے میں جو عظیم الشان کام کیا، اس کی صرف یہی وجہ تھی کہ وہ تجدید اسلام کی اصل، اساس، نظام حقیقی کو سامنے رکھ کر شروع کی گئی تھی، اور اس کے بعد بھی موجودہ زمانہ تک اسی تحریک کو فروغ ہو سکا جو اسی اساس ملت کے نام سے پیش کی جاتی رہی، اس کامیابی کا عارضی اور ہنگامی ہونا دراصل خود کارکنوں اور تحریک کے علم برداروں کے عارضی یقین اور ہنگامی ایمان کا نتیجہ ہے۔

## ایمان کے بغیر عمل ممکن نہیں

اب اس تشرع کے بعد اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو عندرندہ ہو گا کہ دنیا میں کوئی ترقی یافتہ قوم یا ترقی چاہنے والی قوم ممکن ہی نہیں جس کے پاس چند ایمانیات نہ ہوں، یا یوں کو کہ چند اصول کار، اصول حیات، یا اصول نظام نہ ہوں، جن سے اس کی قومیت تخلیق ہوتی ہے، اور جن پر اس کی ملت و تمدن و حیات اجتماعی کی عمارت قائم ہوتی ہے اور جو اس کے منتشر افراو کے درمیان رشتہ اشتراک کا کام دیتے ہیں، اور جن کے تحت میں اس قوم کے نظام حیات کے تمام شعبے مکمل ہوتے ہیں، یہاں تک کہ کافروں مشرک قومیں بھی اس سے خالی نہیں ہیں ان کے بھی تمام اعمال و افعال ان کے

چند یقینی تخلیات اور عقائد کے تحت ہی میں آ جاتے ہیں۔ اس حالت میں یہ کتنا کر ایمانیات کے بغیر ترقی کے حسن عمل یا انسانیت کی نیکی کردار کا وجود ہوتا ہے، خاقان سے ناخوشی کا ثبوت ہے۔ ایمانیات کے بغیر حسن عمل اور نیکی کردار کیا بلکہ نفس عمل اور نفس کردار ہی کا وجود ممکن نہیں۔ اب اگر حصہ ہو سکتی ہے۔ تو اس میں نہیں کہ ایمانیات کے بغیر حسن عمل اور نیکی کردار کا وجود ہو سکتا ہے یا نہیں بلکہ اس میں کہ ان ایمانیات کے تحت میں حسن عمل اور نیکی کردار کا وجود زیادہ بہتر ہو سکتا ہے، یا ان ایمانیات کے تحت میں؟ لیکن یہ نہیں کوئی کہ سکتا کہ کسی ایمان کے بغیر کوئی عمل کسی نظام حیات کے بغیر کوئی بلند کارنامہ حیات اور کسی بیجاد کے بغیر کوئی محکم عمارت قائم ہو سکتی ہے، آپ اس کا نام انسانیت رکھیں، قومیت رکھیں، وطنیت رکھیں، باشوزم رکھیں، مت پرستی رکھیں، یا توحید یا خدا شناگی رکھیں، جو چاہے رکھیں اور جو چاہے قرار دیں، بہر حال یہ مقدمہ اپنی جگہ پر مسلم ہے کہ ایمان کے بغیر عمل صالح کا وجود ممکن نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارا وہ اساسی خیال، جس پر ہماری ملت کی بیجاد ہو، اور جو ہمارے تمام اعمال کا سرچشمہ بنے کیا ہو ؟

## نسل و وطن کے عقیدہ کی ناکامی

دنیا کی قوموں نے اساس ملت کی بیجاد جغرافی حدود اور نسلی خصوصیت کو قرار دیا۔ رو میوں کی ہزار سالہ حکومت، روی وطنیت کے سارے پر قائم رہی، ہندوؤں، پارسیوں اور یہودیوں کی قومیت نسلی انتیاز پر مبنی ہے۔ یورپ کی موجودہ توبیخ، نسل و وطن کی دہری دیواروں پر کھڑی ہیں۔ لیکن خود غور کرو کہ جغرافی حدود، اور نسلی وطنی خصوصیات نے قوموں کو کتنا دل تھک، محدود خیال اور متعصب ہادیا ہے۔ دنیا کی اکثر خواں ریزیاں، لڑائیاں اور قومی منافر تین ان ہی جنبات نے پیدا کی ہیں

قدمیم تاریخ میں ایران و روم کی صد سالہ جنگ اور خود یورپ کی گزشتہ عالمگیر جنگ جس میں انسانوں نے انسانوں کو درندوں کی طرح چیر اور پھاڑا، اسی نسلی و طنی جذبات کی شعلہ افروزی تھی، اور آج کا خونی تماشا بھی اسی جذبہ کا نتیجہ ہے۔

یہ نسلی اور طنی افتراق قوموں کے درمیان وہ خلیج ہے، جس کو انسانوں کے ہاتھ کبھی پاٹ نہیں سکتے، نہ توفطرہ کسی نسل و قومیت کا کوئی پیدا شدہ انسان دوسری نسل و قومیت میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ایک مقام کا پیدا شدہ دوسرے مقام کا پیدا شدہ نہ سکتا ہے۔ نہ کالا گورا ان سکتا ہے، نہ گورا کالا، اور نہ فرنگی زنگی بن سکتا ہے نہ زنگی فرنگی، نہ جرمن کو انگریز بنا یا جا سکتا ہے، نہ انگریز کو جرمن، نہ افغانی ہندوستانی بن سکتا ہے، نہ ہندوستانی افغانی، آج پولینڈ کے کھنڈروں سے لیکر رومانیا کے روغنی چشمیں تک جوز میں خون سے لالہ زار ہے اس کا سینہ کیا اسی نسلی و طنی خونخواریوں سے داغ دار نہیں؟

غرض نسل وطن کے دائرے اس مضبوطی سے فطرہ محدود ہیں کہ ان کے اندر تمام دنیا توکیا، چند قوموں کے سامنے کی بھی وسعت نہیں ہے ان دونوں کے جذبات و احاسات صرف ایک مختصر و محدود قوم کی جامعیت کا کام دے سکتے ہیں۔ کسی عالمگیر امن و صلح اور انسانی اخوت و برادری کی بیداری اس پر رکھی ہی نہیں جا سکتی۔

پھر ان دونوں محدود تصورات کے ذریعہ سے اگر انسانوں میں کچھ شریفانہ جذبات پیدا ہو سکتے ہیں تو وہ ان ہی تک جغرافی و نسلی دائروں تک محدود رہیں گے، اور کبھی تمام دنیا کے اس کے اندر سما جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں ان اسی تصورات کے ذریعہ جن بلند انسانی اخلاق، اور کیر کثر کا پیدا کرنا مقصود ہے، ان میں سے صرف نسل وطن کی حفاظت کی خاطر شجاعت، ایثار اور قربانی کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں، مگر عمومی نیک، تواضع، خاکساری، رحم، شفقت، عفت، صدق، امانت وغیرہ سینکڑوں ایجادی اور سلبی اخلاق ہیں جو اسکے ذریعہ نہ کبھی پیدا ہوئے ہیں نہ ہو سکتے

ہیں۔

آجکل یورپ کی تمام جنگ و جدل اور باہمی ہنگامہ آرائی اور تقابل کا دھر جس سے ان کی دولت اور تذمیر و تمن کا شیشہ چور چور ہو رہا ہے، یہی تجھ و محدود وطنیت و قومیت کا عقیدہ ہے، یہ وہ دیوتا ہے جس پر یورپ کی تمام قومیں بھینٹ چڑھ رہی ہیں۔ ہر قوم کے تمام دولت مندوں کی دولتیں، تمام عالموں کا علم تمام سائنس انوں کی سائنس، تمام صناعوں کی صنعتیں، تمام موجودوں کی ایجادیں، اپنی قوم کے سواد نیا کی دوسری انسانی قوموں کی گرفتاری، محکومی، بر بادی اور ہلاکت میں صرف ہو رہی ہیں۔

آج ناز ازم اور فرم کا دور ہے۔ جس نے ایک بدترین مذہب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جس میں ہر قسم کی حیوانی قوت کی نمائش، ہر قسم کی ہلاکت اور انسانی بر بادی کا مہیب ترین منظر، اور قوت کے سامنے ہر اخلاقی اور قانونی آئین کی قربانی کا تمثاش سب کے سامنے ہے۔ یہ جو کچھ ہے، یہ وہی قومیت اور بوطنیت کی خونخوار نسبت پرستی کا عبر تناک نظارہ ہے، جس سے نوع انسانی کی کسی بھلائی کی توقع نہیں ہو سکتی۔

## ا قتصادی عقیدہ کا فریب

سو شلزم اور بالشو زم اور دوسرے اقتصادی خیالات سے بھی بھلائی کی توقع نہیں مکر اس نے خود انسانوں کو سرمایہ دار و غیر سرمایہ دار و مختلف حصوں میں تقسیم کر کے وہ سب کچھ کیا ہے، اور کرنا چاہتی ہے جو کبھی کسی مذہب اور مذہبی محکمہ تقییش نے انجام دیا ہے، قوموں کے ساتھ ان کی نا انصافی کا تمثاش آج بھی دنیا رکستان سے لے کر فین لینڈ تک دیکھ رہی ہے۔ اگر زبردستی کوئی بر بادی چیز ہے تو مذہب سے زبردستی روکنا

بھی اتنی ہی بڑی چیز ہے، جتنا زبردستی سے کسی مذہب کو پھیلانا اگر مسلمانوں کا گر جاؤں کا توڑنا، اور عیسایوں کا مسجدوں کا منسدم کرنا ناجائز ہے، تو ملکوں کا ان دونوں کو مسماں کرنا بھی ناجائز ہے۔

پھر ان تخلیقات میں جن کی بیان و مخفف پیش اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہے کسی میں اخلاقی نصب العین بننے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے اسی لئے ان کا محدود اقتصادی نظریہ پورے نظام ہستی اور نظام زندگی کا معہد حل نہیں کر سکتا۔

ان سب کے ماوراء یہ ہے کہ ضرورت تو یہ ہے کہ نسلیت وطنیت کے شک داروں سے نکل کر جس عمومی تصور کو اساس ملت بنایا جائے، ان میں بقاء اور دوام کی صلاحیت ہو، سوسائیٹیاں اور جماعتیں جن کی بیان و مادی خود غرضی اور منفعت اندوں کی پر کھلی جائے، وہ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتیں، چنانچہ جب سے دنیابنی ہے، خدا جانے مادی اغراض کی بناء پر کتنی جماعتیں اور مجلسیں قائم ہوئیں، اور مٹ گئیں، اب تینیں روز بنتی اور بجوتی ہیں۔ اور سوسائیٹیاں روز پیدا ہوتی ہیں اور مرتی ہیں۔ ایسی ناپائیدار اور سطحی چیزیں جامعیت ملت کی بیان اور اساس نہیں بن سکتی ہیں، اور نہ وہ ہمارے نظام حیات کا اصول اور معیار قرار پاسکتی ہیں۔

## صحیح ایمان کی ضروری خصوصیات

غرض عالمگیری اور داعمی اساس ملت اور صحیح بیان و عمل نہیں کے لئے ضروری ہے کہ جو چیز اساس و بیان قرار دی جائے اس میں حسب ذیل خصوصیتیں ہوں۔

- ۱- وہ کوئی مادی غرض و غایبت کی چیز نہ ہو، جو ہمیشہ بدال جاتی رہے۔
- ۲- وہ کوئی محدود و طبقی، نسلی، بتنه ہو جو اپنے نسل و ملن سے باہر چاکر زندہ

نہ رہ شے۔

۳- وہ قوی، نسلی اور وطنی منافرتوں اور تنفر قوں کو بیخ و بیاد سے اکھاڑ کر عالمگیر اتحاد اور اخوت کی بیانڈال سکے۔

۴- وہ تخيیل عقیدہ من کر ہمارے نیک افعال کا محرك، اور ہرے افعال کا مانع ہے، وہ انسانوں کو نیکی کے لئے ابھار سکے اور برائی سے روک سکے۔

۵- وہ ایک ایسا دامنی صحیح اور سچا عقیدہ ہو جس کو مان کر اس برادری میں داخل ہونے میں کسی کو دقت نہ ہو۔

۶- وہ ایک طرف بندوں میں اپنے خالق کے ساتھ گردیدگی اور بندگی کا تعلق پیدا کرے، اور دوسری طرف اپنی ہم جنس مخلوقات کے ساتھ محبت اور ادائے حقوق کا جذہ پیدا کرے۔

## اسلام میں عقائد کی حقیقت اور اہمیت

ان چند عقلی مبادی کے ثبوت کے بعد اب آئیے اسلام کے اصول عقائد و مبادی کا جائزہ لیں، اسلام میں جس حقیقت کو عقائد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، وہ در حقیقت یہی چند ذہبی اصول و مبادی ہیں جو جماعت کا کریڈ اور تمام انسانی انکار و خیالات کی بیاند و اساس ہیں، انسان کے تمام افعال، اعمال، اور حرکات اسی محور کے گرد چکر کھاتے ہیں یہی وہ نقطہ ہے، جس سے انسانی عمل کا ہر خط لکھتا ہے، اور اس کے دائرہ حیات کا ہر خط اسی پر جا کر ختم ہوتا ہے، کیونکہ ہمارے تمام افعال اور حرکات ہمارے ارادہ کے تابع ہیں، ہمارے ارادہ کا محرك ہمارے خیالات اور جذبات ہیں، اور ہمارے خیالات اور جذبات پر ہماری اندر وہی عقائد حکومت کرتے ہیں، عام بول چال میں انہیں

چیزوں کی تعبیر ہم ”دل“ کے لفظ سے کرتے ہیں، اسلام کے معلم نے بتایا کہ انسان کے تمام اعضاء میں اس کا دل ہی نیکی اور بدی کا گھر ہے، فرمایا۔

الا وَانْ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةٌ  
اذا صلحَتْ صلحَ الْجَسَدِ  
كَلْهُ، وَاذَا فَسَدَتْ فَسَدَ  
الْجَسَدُ كَلْهُ الا وَهِيَ الْقَلْبُ  
(صحیح خاری کتاب الایمان)

قرآن پاک نے دل (قلب) کی تین کیفیتیں بیان کی ہیں، سب سے پہلے قلب سلیم (سلامت رو دل) جو ہر گناہ سے پاک رہ کر بالطیع نجات اور سلامت روی کے راستے پر چلتا ہے، دوسرا اس کے مقابل میں قلب آئیم (کنگار دل) یہ وہ ہے جو ہمیشہ گناہوں کی راہ اختیار کرتا ہے، اور تیسرا قلب مُنیب (رجوع ہونے والا دل) یہ وہ ہے جو اگر کبھی بھختا اور بے راہ بھی ہوتا ہے تو فوراً نیکی اور حق کی طرف رجوع ہو جاتا ہے، غرض یہ سب نیر گنیاں اسی ایک بے رنگ ہستی کی ہیں جس کا نام دل ہے، ہمارے اعمال کا ہر محرك، ہمارے اسی دل کا ارادہ اور نیت ہے، اسی بھاپ کی طاقت سے اس میں کاہر پر زہ چلتا اور حرکت کرتا ہے، اسی لئے آپ نے فرمایا۔

ثُمَّاً أَلَا عَمَالُ الْبَلِيزَاتِ  
(صحیح خاری آغاز کتاب)

اسی مطلب کو دوسرے الفاظ میں آپ نے یوں ادا فرمایا۔

(۱) قرآن پاک کی آیت میں یہ ہے فَإِنَّهُ أَئِيمَ قَلْبُهُ

ہر شخص کے کام کا شرہ وہی ہے جس کی وہ نیت  
کرے تو جس کی بھرت کی غرض دنیا کا حصول  
یا کسی عورت سے نکاح کرنا ہے تو اس کی بھرت  
ای کے لئے ہے جس کیلئے اس نے بھرت کی  
(یعنی اس سے ثواب حاصل نہ ہوگا)

ان مالا مرئی مانوی فمن  
کانت هجرته الی دینا  
یصیبها او الی امرأة ینکحها  
فهجرته الی ما هاجر الیه  
(صحیح خاری آغاز کتاب)

آج کل علم نفیات نے بھی اس مسئلہ کو بد اہتمام ثابت کر دیا ہے کہ انسان کی  
عملی اصلاح کے لئے اس کی قلبی اور دماغی اصلاح مقدم ہے۔ اور انسان کے دل اور ارادہ  
پر اگر کوئی چیز حکر ان ہے تو وہ اس کا عقیدہ ہے صحیح اور صالح عمل کے لئے ضروری یہ  
ہے کہ چند صحیح اصول و مقدمات کا، ہم اس طرح تصور کریں کہ وہ دل کا غیر مخلوق  
یقین اور غیر متزلزل عقیدہ ہن جائیں اور اسی صحیح یقین اور مستحکم عقیدہ کے تحت میں  
ہم اپنے تمام کام انجام دیں۔

جس طرح اقلیدس کی کوئی شکل چند اصول موضوعہ اور اصول متعارفہ کے  
مانے بغیر نہ من سکتی ہے، نہ ثابت ہو سکتی ہے، اسی طرح انسان کا کوئی عمل صحیح اور  
درست نہیں ہو سکتا، جب تک اس کے لئے بھی چند مبادی اور چند اصول موضوعہ ہم  
پہلے تسلیم نہ کر لیں جن کو ہم عقیدہ کرتے ہیں۔

بظاہر عقل ہمارے ہر کام کیلئے ہم کو رہنمائی نظر آتی ہے، لیکن غور سے دیکھئے کہ  
ہماری عقل بھی آزاد نہیں۔ وہ ہمارے دلی یقین، ذہنی رجحانات، اور اندر وہی جذبات کی  
زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اسی لئے اس پاہے زنجیر عقل کے ذریعہ ہم اپنے دلی  
خیالات، ذہنی رجحانات اور اندر وہی جذبات پر قابو نہیں پا سکتے، اگر پا سکتے ہیں تو اپنے  
صحیح دلی یقینیات اور چند مضبوط دماغی و ذہنی تصورات کے ذریعہ، یہی وجہ ہے کہ قرآن  
پاک نے ”ایمان“ کا ذکر کرہیش عمل صالح کے ذکر سے پہلے لازمی طور سے کیا ہے۔ اور

ایمان کے بغیر کسی عمل کو قبول کے قابل نہیں سمجھا ہے کہ ایمان کے عدم سے دل کے ارادہ اور خصوصاً اس مخلصانہ ارادہ کا بھی عدم ہو جاتا ہے۔ جس پر حسن عمل کا دار و مدار ہے۔ عبد اللہ بن جدعان ایک قریشی تھا۔ جس نے جاہلیت میں بہت سے نیکی کے کام کے تھے لیکن با ایس ہمہ مشرک تھا۔ اس کی نسبت آنحضرت صلعم سے حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ دریافت کیا کہ ”یا رسول اللہ! عبد اللہ بن جدعان نے جاہلیت میں جو نیکی کے کام کئے کیا ان کا ثواب ان کو ملے گا“ فرمایا نہیں اے عائشہؓ کیوں کہ کسی دن اس نے یہ نہیں کیا کہ بار آتا! میرے گناہوں کو قیامت میں ٹیش دے“ (۱)

بدر کی لڑائی کے موقع پر ایک شرک نے جس کی بہادری کی دھوم تھی حاضر ہو کر کہا ”اے محمد ﷺ! میں بھی تمہاری طرف سے لڑنے کے لئے چنانچا ہتا ہوں“ مگر مجھے بھی غنیمت کا کچھ مال ہاتھ آئے ”فرمایا۔ کیا تم اللہ عزوجل اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہو؟“ اس نے جواب دیا نہیں ”فرمایا“ واپس جاؤ کہ میں ال شرک سے مدد کا خواستگار نہیں۔ ”دوسری دفعہ وہ پھر آیا، اور وہی پہلی درخواست پیش کی۔ مسلمانوں کو اس کی شجاعت و بہادری کی وجہ سے اس کی اس درخواست سے بڑی خوشی ہوتی، اور وہ دل سے چاہتے تھے کہ وہ ان کی فوج میں شریک ہو جائے، لیکن آنحضرت صلعم نے اس سے پھر وہی سوال کیا کہ ”کیا تم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ہے؟“ اس نے پھر نئی میں جواب دیا، آنحضرت صلعم نے پھر وہی فرمایا کہ ”میں کسی مشرک سے مدد نہیں لوں گا، غالباً مسلمانوں کی تعداد کی کمی اور اس کی بہادری کے باوجود اس سے آپ کی بے نیازی کی اس کیفیت نے اس کے دل پر اثر کیا، تیری دفعہ جب اس نے اپنی درخواست پیش کی، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم کو خدا اور رسول ﷺ پر ایمان ہے؟“ تو اس نے اثبات میں جواب دیا، تو اسلامی فوج میں ایک مجاہد کی حیثیت سے اس کو داخل ہونے کی اجازت ملی (۲) اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جماعت میں داخل ہونے کے لئے اس کے کریڈ اور عقیدہ کو تسلیم کرنا اس جماعت کی مضبوطی کی

(۱) مصنف ابن القیم شیخہ: فروعات نسخہ قلی دار المصنفین ولن ضبل جلد ۶ صفحہ ۱۳۹ مصر

(۲) صحیح مسلم باب غزوات جلد دوم صفحہ ۱۰۷ مصر

سب سے پہلی شناخت ہے۔

غرض اسلام کے نقطہ نگاہ سے بھی ایمان ہی ہمارے تمام اعمال کی اساس ہے۔ جس کے بغیر ہر عمل بے جیاد ہے، وہ ہماری سیر الہی کا اصلی سرچشمہ ہے جس کے فقدان سے ہمارے کاموں کی حقیقت سراب سے زیادہ نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ دیکھنے میں تو کام معلوم ہوتے ہیں۔ مگر روحانی اثر و فائدے سے خالی اور بے نتیجہ ہوتے ہیں، خدا کے وجود کا اقرار اور اس کی رضا مندی کا حصول ہمارے اعمال کی غرض و غایت ہے، یہ نہ ہو تو ہمارے تمام کام بے نظام اور بے مقصد ہو کر رہ جائیں، وہ ہمارے دل کا نور ہے، وہ نہ ہو تو پوری زندگی تیرہ و تاریک نظر آئے اور ہمارے تمام کاموں کی جیاد ریا، نمائش، جاہ پسندی، خود غرضی اور شرست طلبی وغیرہ کے دلی جذبات اور پست محکمات کے سوا کچھ اور نہ رہ جائے۔

## ایمان کے اجزاء

اسلام نے چونکہ علم و عمل، تصور اور فعل، عقليت اور عملیت میں لزوم ثابت کیا ہے اور عقائد کی راہ سے یہی اصل زدن انسان کی عملیت پر صرف کیا ہے اس لئے اس نے عقائد کے اتنے ہی حصہ کا یقین و اقرار ضروری قرار دیا ہے، جو عمل کی جیاد، اخلاق و عبادات کی اساس قرار پائے، اور دل کی اصلاح و ترقیہ میں کام آئے، اور اسی لئے اس نے عقائد کے فلسفیانہ انجام اور تصورات و نظریات کی تشریح و تفصیل کر کے عملیت کو بر باد نہیں کیا، چند سیدھے سادے اصول ہیں، جو تمام ذہنی سچائیوں اور واقعی حقیقوں کا جوہر اور خلاصہ ہیں، اور ان ہی پر یقین کرنے کا نام ایمان ہے اور صریح الفاظ میں اس ایمان کے صرف پانچ اصول تلقین کئے۔ (۱) خدا پر ایمان، (۲) خدا کے

فرشتوں پر ایمان، (۳) خدا کے رسولوں پر ایمان، (۴) خدا کی کتابوں پر ایمان اور (۵) اعمال کی جزا اور سزا کے دن پر ایمان۔

## اُن اجزاءٰ نے ایمانی کی حکمت

اللہ تعالیٰ پر ایمان کہ وہ اس دنیا کا تنہ خالق اور مالک ہے، اور ہر ظاہر و باطن سے آگاہ ہے تاکہ وہی ہمارے تمام کاموں کا قبلہ، مقصود قرار پاسکے اور اس کی رضا جوئی اور اس کی مرضی کی تعیل ہمارے اعمال کی تنہ غرض و غایبیت ہو، اور ہم جلوٹ کے سوا خلوٹ میں بھی گناہوں اور برائیوں سے بچ سکیں۔ اور ہر نیکی کو اس لئے کریں اور ہر برائی سے اس لئے جتنی کہ یہی ہمارے خالق کا حکم اور یہی اس کی مرضی ہے، اس طرح اعمال نپاک اغراض اور ناجائز خواہشوں سے مبرأ ہو کر خالص ہو سکیں، اور جس طرح ہمارے جسمانی اعضاً گناہوں سے پاک ہوں، ہمارا دل بھی نپاک خیالات اور ہوا وہ س کی آمیزش سے پاک ہو، اور اس کے احکام اور اس کے پیغام کی سچائی پر دل سے ایسا یقین ہو کہ ہمارے نپاک جذبات، ہمارے غلط استدلالات، ہماری گمراہ خواہشیں بھی اس یقین میں شک اور تدبیب پیدا نہ کر سکیں۔

خدا کے رسولوں پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، کہ خدا کے ان احکام اور پدالیات اور اس کی مرضی کا علم ان ہی کے واسطے سے انسانوں کو پہنچا ہے، اگر اس کی صداقت سچائی اور راستبازی کو کوئی تسلیم نہ کرے تو پیغام ربیٰ اور احکام الٰہی کی صداقت اور سچائی بھی مخلوقوں و مشتبہ ہو جائے اور انسانوں کے سامنے نیکی، زیادت اور معصومیت کا کوئی نمونہ موجود نہ رہے، جو انسانوں کے قوائے عملی کی تحریک کا باعث نہ سکے پھر اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط کاموں کے درمیاں ہماری عقل کے سوا جو ہمارے جذبات کی حکوم ہے، کوئی اور چیز ہمارے سامنے ہماری رہنمائی کے لئے نہیں ہو گی۔

خدا کے فرشتوں پر بھی ایمان لانا واجب ہے، کہ وہ خدا اور اس کے رسولوں

کے درمیان قاصد اور سفیر ہیں، مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ ہیں، تخلوقات کو قانونِ الٰہی کے مطابق چلاتے ہیں اور ہمارے اعمال و افعال کے ایک ایک حرف کو ہر دم اور ہر لمحہ "ریکارڈ" کرتے جاتے ہیں، تاکہ ہم کو ان کا اچھا یا بُر املا و معاوضہ مل سکے۔

خدا کے احکام و ہدایات جو رسولوں کے ذریعہ انسانوں کو پہنچائے گئے ہیں ان کو دور دراز ملکوں اور آئندہ نسلوں تک پہنچانے کے لئے ضروری ہوا کہ وہ تحریری شکلوں میں یعنی کتابوں اور صحیفوں میں یا القظاوآواز سے مرکب ہو کر ہمارے سینوں میں محفوظ رہیں۔ اس لئے خدا کی کتابوں اور صحیفوں کی صداقت پر اور جو کچھ ان میں ہے اس کی سچائی پر ایمان لانا ضروری ہے، ورنہ رسولوں کے بعد خدا کے احکام اور ہدایتوں کے جاننے کا ذریعہ مسدود ہو جائے اور ہمارے لئے یہی اور بدی کی تمیز کا کوئی ایسا معیار باقی نہ رہے جس پر تمام ادنیٰ و اعلیٰ، جاہل و عالم، بادشاہ اور رعایا سب متفق ہو سکیں۔

اعمال کی بازار پر اس اور جواب دہی کا تلقین اور اس کے مطابق جزا اور سزا کا خیال نہ ہو تو دنیاوی قوانین کے باوجود دنیائے انسانیت سرپا درندگی اور بھیمت من جائے یہی وہ عقیدہ ہے جو انسانوں کو جلوت و خلوت میں ان کی ذمہ داری محسوس کرتا ہے، اس لئے روز جزا اور یوم آخرت پر ایمان رکھے بغیر انسانیت کی صلاح و فلاح ناممکن ہے، اور اسی لئے محمد رسول اللہ صلیم کی تعلیم نے اس پر بے حد زور دیا ہے بلکہ کمی و حی کا پیشتر حصہ اسی کی تلقین اور تبلیغ پر مشتمل ہے۔

یہی پانچ باتیں اسلام کے ایمانیات کے اصلی عناصر ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر، اس کے تمام رسولوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے فرشتوں پر، اور روز جزا اور ایمان لانا، یہی عقائد کئے جس سے کبھی طور پر سورۃ بقرہ میں متعدد دفعہ کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان ہوئے ہیں۔

جو لوگ غیب (خدا' نہ اکی صفات لور ملائکہ) پر  
ایمان رکھتے ہیں۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ

(قرہ۔۱)

اور جو کچھ تم پر (اے محمد ﷺ) اتر اور تم  
سے پلے (قیثروں پر) اتر اس پر یقین  
رکھتے ہیں (یعنی انیاء اور ان کی کتابوں پر)  
اور آخرت (فرز جزا) پر یقین رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ  
وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ (قرہ۔۱)  
وَيَا الْأَنْجَرَةَ هُمْ يُؤْفَقُونَ

(قرہ۔۱)

یہ تو سورۃ کے آغاز کی آیتیں ہیں، سورۃ کے پیش میں پھر ارشاد ہوا۔

اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر،  
آخری دن پر فرشتوں پر اور کتاب پر اور  
سب نبیوں پر ایمان لائے۔

وَلَكِنَّ الِّبَرَّ مَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَالْمَلِئَكَةَ وَالْكِتَابِ  
وَالْبَيِّنَاتِ (قرہ۔۲۲)

سورۃ کے آخر میں ہے۔

قیثروں پر جو کچھ اتنا اگیا، اس پر وہ خود اور  
تمام سو من ایمان لائے یہ سب لوگ خدا  
پر اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر  
اور اس کے قیثروں پر ایمان لائے

أَمَنَ الرَّسُولُ بِمَا إِلَيْهِ مِنْ رِبَّهِ وَ  
الْمُؤْمِنُونَ كُلُّ أَمَنَ بِاللَّهِ وَ  
مَلِئَكَةَ وَكِتَابِهِ وَرَسُولِهِ  
(قرہ۔۳۰)

—  
سورۃ نساء میں ان ہی عقائد کی تعلیم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنَوْا أَمْنًا بِاللَّهِ  
”اے وہ لوگو! جو ایمان لا پچھے ہو، ایمان لا دخدا پر، اور  
اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أَمْنَوْا أَمْنًا بِاللَّهِ  
وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ

اپنے رسول پر اعتمادی اور اس کتاب پر جواب  
سے پہلے اعتمادی، اور جو شخص خدا کا، اس کے  
فرشتون کا، اس کی کتابوں کا، اس کے  
ٹیکشیروں کا، اور روز آخرت کا انکار کریگا، وہ  
جنت گمراہ ہوا۔

رَسُولُهُ وَالْكِتَابُ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ  
قَبْلٍ طَوَّمَ بِكُفْرٍ بِاللَّهِ وَ مَنِكِتَهُ  
وَكَبَّهُ وَرَسُولُهُ وَالْيَوْمُ الْآخِرِ فَقَدْ  
ضَلَّ ضَلَّاً لَا يَعْيَدُهُ

## ایمان و عمل کا تلازم

چیز ایمان اور حسن عمل در حقیقت لازم و ملزم ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک  
مومن بد کار ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو یہ سوال حقیقت میں خود تضاد کو مستلزم ہے، اس  
لئے احادیث میں آتا ہے کہ کوئی مومن ہو کر بد کاری اور چوری نہیں کر سکتا، اگر  
کرتا ہے تو اس وقت اس کا ایمان مسلوب ہو جاتا ہے، اور یہ بالکل واضح ہے کہ جب کوئی  
مومن برائی کرنا چاہتا ہے تو اس کے ایمان یعنی اصول اور جذبات فاسدہ کے درمیان  
سکمیش ہوتی ہے۔ تھوڑی دیری یہ لڑائی قائم رہتی ہے، اگر ایمان اور اصول نے فتح پائی تو وہ  
اپنے کو بچالیتا ہے، اور اگر جذبات غالب آتے ہیں، تو ایمان اور اصول کا تخلیل اس وقت  
دب کر اس کی نظر سے او جھل ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر سچا مومن، اور بد کردار ہو، یہ  
ممکن ہی نہیں، اگر ہے تو حقیقت میں ایمان ہی کامل نہیں۔ یہاں حدث رسمی ایمان  
و مومن سے نہیں بلکہ اس ایمان سے ہے۔ جسکے معنی غیر مترکل یقین، اور ناقابل  
بیک اعتقاد کے ہیں، جمال کمیں برسمی و ظاہری ایمان کے ساتھ برائی اور بد کرداری کا  
وجود ہے، وہ در حقیقت ایمان کا نقش اور یقین کی کمی کے باعث ہے، عمل صاف کی کمی  
بھی ایمان ہی کی کمی کا نتیجہ ہے۔

## ایمان کے بغیر کوئی عمل درست نہیں

لیکن بہر حال عقلی فرض اور کسی ایمان کے لحاظ سے یہ سوال ہو سکتا ہے "اور یہ مانا جا سکتا ہے کہ ایک بد کردار مومن اور نیک اخلاق کا فرد اُن شرک میں اگر پہلا نجات کا مستحق ہے اور دوسرا نہیں ہے تو ایسا کیوں؟ اس کا جواب شرعی اور عقلی دونوں حیثیتوں سے بالکل ظاہر ہے اسلام نے نجات کا مدار ایمان اور عمل دونوں پر رکھا ہے جیسا کہ قرآن کرتا ہے۔

إِنَّ الْأَنْسَانَ لَفِيٌّ خُسْرٌ إِلَّا الَّذِينَ  
بِئْتَكُلُّ أَنْوَانَ الْجَنَاحَيْنِ مِنْ بَيْنِ مَغْرُوبَهُ وَجُوَافِهِ  
امْنُوا وَعَمِلُوا بِالصِّلْحَةِ (عمر)  
ایمان رکھتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں۔

اس لئے کامل نجات کا مستحق وہی ہے جو مومن بھی ہے اور نیک کردار بھی ہے لیکن اگر ایمان نہ ہو تو خدا کفر و شرک کے گناہ کے سوا اپنے مدد کو ہرگز نہ چاہے تو معاف کر سکتا ہے البتہ شرک و کفر کو معاف نہ فرمائے گا اور اس کی سزا ضروری وہ دے گا چنانچہ ارشاد ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرِكَ بِهِ  
وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ  
كَمَا تَحْمِلُ شَرِكَ كِيَا جَاءَهُ وَأَنَّمَا  
وَمَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَى إِنَّمَا  
عَظِيمًا طَّاغِيًّا (ناء ۷) گا۔

ایک اور آیت میں مشرکوں کے متعلق یہ قطعی طور پر فرمایا۔

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَمَ  
عَلَيْهِ الْحَيَاةَ وَمَا وَآءَ النَّارُ  
کریما تو الله نے اس پر اپنی جنت حرام کی ہے" (ماکہ ۱۰)

قرآن پاک نے ان لوگوں کے کاموں کی مثال جو ایمان سے محروم ہیں اس را کہ سے دی ہے جس کو ہوا کے جھوٹکے اڑاکر فکر دیتے ہیں اور ان کا کوئی وجود پھر باقی نہیں رہتا۔

اوسی طرح وہ شخص جو ایمان سے محروم ہیں ان کے کام بھی بے جادا اور بے اصل ہیں۔

مَثِيلُ الظَّالِمِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ  
الْأَعْمَالُ لَهُمْ كَرَمَادٌ دَارَتْ لَهُمْ  
الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ طَلَأَ  
يَقْدِيرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ  
خَلِكٌ هُوَ الضَّلَلُ الْبَعِيدُ طَ

(Incl. Ad)

سورہ نور میں ایمان کی دولت سے محروم لوگوں کے اعمال کی مثال سراب سے دنیا گئی ہے کہ اس کے وجود کی حقیقت فریب نظر سے زیادہ نہیں۔

جہوں نے خدا کا اثار گھاٹ کے کام سر اپ  
کی طرح ہیں، جو میدان میں ہو، جس کو پیاسا  
پالنی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے  
پاس پہنچے تو وہاں کسی چیز کا وجود نہیں کو نظر نہ  
آئے

ان کی ایک لور مثال ایسی سخت تاریکی سے دی گئی ہے جس میں ہاتھ کو ہاتھ سوچھائی نہیں دینا،  
لور جس میں ہوش و حواس اور اعضاء کی سلامتی کے باوجود ان سے فائدہ اٹھانا ممکن ہے۔

بیان کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی  
گھر سے سمندر میں سخت اندر ہیرا ہواں کے  
لوپر موج اور موج پر پھر موج اور اس کے  
لوپر بادل گرا ہوئے اندر ہیرا ہے کہ اس میں  
ہاتھ نکالے تو وہ بھی سوچھائی نہ دے جس کو  
خدا نے نور نہ دیا اس کیلئے کوئی نور نہیں۔

اوْ كَظِلْمَتْ فِي بَحْرٍ لُجِيْ يَقْشُّهُ  
مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ  
سَحَابٌ طَظْلِمَتْ بَعْضُهَا فَوْقَ  
بَعْضٍ طِإَدَأْ أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ يَكُنْ  
بِيَرَاهَاطٍ وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ  
نُورًا فَمَالَهُ مِنْ نُورٍ (نور)

الغرض ایمان کے بغیر عمل کی بحث کسی بلد اور صحیح تفصیل ہے قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ریاضت اور خود غرضی کے کاموں کو کوئی عزت نہیں دی جاتی وہ کام جو کو بظاہر نیک ہوں، لیکن کرنے والے کان سے اصلی مقصد تمام و تھوڑا اکرنا ہوتا ہے، اخلاقی نقطہ نظر سے تمام دنیا ان کو بے و قعہ اور یقین بھی ہے اس نتایج آنحضرت صلیم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متتبہ کیا اور فرمایا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّنَ أَمْنُوا لَا تُبْطِلُوا أَيَّامَ إِيمَانِكُمْ يَا أَيُّهَا الْأَذْيَارُ لَا يَنْهِيَنَّ دَعَةَ كَرَوْبَةِ جِنْسِكُمْ كَمَلْكُمْ يَلْمِعُنَّ وَالْأَذْيَارُ طَرْحَ وَهَرَبَادَ كَرَتَاهُنَّ جُولَگُونَ كَمَانَهُنَّ كَلَّذِيْنَ يَنْفِقُ مَالَهُ رِتَاءَ النَّاسِ كَلَّذِيْنَ اپَالَ مَرْحَ كَرَتَاهُنَّ لَوَهَ خَدَاهُ پَرَ (جو ولا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمَ نَجِيَوْنِ کی جزاً لِمَگی) اور قیامت پر (جس الْآخِرَةِ فَمِثْلُهُ كَمَلْكُمْ صَفَوَانِ مِنْ يَجِيَوْنِ کی جزاً لِمَگی) یقین نہیں کرتا، اس کی خیرات کی مثال اس چنان جھیسی ہے، جس پر کچھ مٹی پڑی ہو۔ ذرا اس پر پانی ہو ساخت مٹی دھل گئی اور پھر رہ گیا، جس پر جو کچھ ڈیا جائے گا وہ اگے گا نہیں۔

الْقَوْمَ الْكُفَّارِينَ ط (بقرہ ۲۶۳)

## مومن و کافر کا فرق

اس تفصیل سے معلوم ہو گا کہ ایک بد کردار رسمی مومن کے لئے نجات کی امید ممکن ہے، لیکن ایک حقیقی کافرو مشرک کیلئے نہیں۔ اور اس کی عقلی وجہ ظاہر ہے ایک بد کردار رسمی مومن اور حقیقی کافرو مشرک کے درمیان وہی فرق ہے جو ایک چور اور ڈاکو کے درمیان ہے، ہر قانون داں جانتا ہے کہ ان دونوں میں قانون کی نظر میں کون مجرم زیادہ ہے، چور گوراً ای کرتا ہے تاہم حکومت کا خوف اسکے دل میں ہے، مگر ڈاکو حکومت سے بر سر پیکار ہو کر قتل و غارت کا مر تکب ہوتا ہے، اس لئے ڈاکو، چور سے زیادہ سزا کا مستحق ہے بدنکار رسمی مومن گونگنا ہے، مگر کبھی کبھی خوف الہی سے تھرا جاتا ہے، کبھی کبھی خدا کی بارگاہ میں گڑا گڑا ہتا ہے، اور کبھی اپنے گناہوں پر خدا

کے حضور میں شرمندہ اور نادم بھی ہوتا ہے، مگر کافروں مشرک، اگر کچھ اپنے کام بھی کریں، تاہم اپنی دوسری برائیوں کے استغفار کیلئے خدا کے سامنے سر گنوں نہیں ہوتے، وہ خدام کسی ہستی کے قاتل ہی نہیں، جس کے خوف سے وہ تھرا نہیں، جس کی بارگاہ میں وہ گڑ گڑا نہیں، اور جس کی محبت میں سرشار ہو کر وہ اس کے احکام کی تعمیل کریں، اس نے اس مجرم کیلئے جس نے کسی مجبوری سے معدود ہو کر چھپ کر کسی قانون سلطنت کی نافرمانی کی رحم و خشش کا موقع ہے، لیکن اس باعثی کیلئے جو سرے سے سلطان وقت کو اور اسکے قانون کو تسلیم نہیں کرتا رحم و خشش کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

لیکن یہ محض ایک تمثیل تھی، ورنہ ظاہر ہے کہ خدا کو اس کی حاجت نہیں کہ اس کے بعدے اس کی حکومت کو تسلیم کریں ان اللہ غنی عن العالمین ۝ (یعنی خدا دنیا سے بے نیاز ہے)

بلکہ اصل یہ ہے کہ ایک کافروں مشرک اس اصول کا کارکو تسلیم نہیں کرتا، جس پر نہ بھی نیکیوں کی بحیاد ہے، اور ایک رسمی مومن اس اصول کو تسلیم کرتا ہے اس کی نسبت توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ آج نہیں توکل عمل بھی کریگا، لیکن جو ہنوز اصول کا خالف ہے اس کے لوٹنے کے لئے ابھی بڑی دشوار منزل باقی ہے۔

## ایمان یعنی اساس ملت اور بنیاد عمل کی اہمیت

اس خالص نہ بھی نقطہ نظر سے ہٹ کر بھی اگر مومن و کافر کے بابی فرق و امتیاز پر غور کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ بہت سے ظاہر نیک لوگوں کو جو کافر ہیں اپنے سے الگ کرنا پڑتا ہے اور بہت سے ظاہر بدے لوگوں کو جو مومن ہیں اپنے اندر داخل کرنا پڑتا ہے، تاہم اس موقع پر اس نکتہ کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ اس "اپنے" اور "غیر" کی وجہ تقسیم کیا ہے؟ جب اس وجہ تقسیم کو ہم سامنے رکھیں گے تو ہم کو ہاگزیر طور پر ایسا کرنا ہی پڑیگا۔ وجہ تقسیم خیرات کریں والا اور نہ خیرات کرنے والا یا جھوٹ بولنے والا اور نہ جھوٹ بولنے والا نہیں ہے بلکہ ایک خدا پر ایمان رکھنے والا اور ایک دستور و عمل (قرآن) کو صحیح ماننے والا ہے، اس معاء پر اس وجہ تقسیم کی رو سے ایسا ہو نہ لازم ہے۔

یہ طریقہ اتیاز کچھ اسلام یا مذہب کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر تحریک ہر جماعت اور ہر اصول سیاست بلکہ تمام انسانی تحریکات اور جماعتوں کا اصول تقسیم بھی ہے، ہر تحریک کا ایک نصب العین، اور ہر جماعت کا ایک عقیدہ (گریڈ) ہوتا ہے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اس کریڈ کے مطابق پورے جوش و فروش کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ یہ اس مذہب کے مومنین اور صالحین ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو اس کریڈ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں، مگر تقابل ہستی، یا کسی اور عارضی سبب سے اس کریڈ کے مطابق عمل نہیں رکھتے، یہ اس مذہب کے غیر صالح مومنین ہیں، لیکن ایک تیری جماعت ہے جو سرے سے اس کریڈ ہی کو تسلیم نہیں کرتی اور نہ اسکو جیاد عمل فراہد تیتی ہے۔ گواں تیری جماعت کے بعض افراد بڑے فیاض و مختیر ہوئے ہوں یا بڑے عالم و فاضل ہوں تاہم اس جماعت کے دائرہ کے اندر جس کا وہ کریڈ ہے ان کیلئے کوئی جگہ نہیں ہے کیا بھی وجہ نہیں کہ ایک سیاسی جماعت کے کریڈ پر یقین رکھنے والا اور اس کے مطابق کرنے والا اور وہ بھی جو نفس کریڈ کو تسلیم کرتا ہے مگر اس کے مطابق عمل پیرا نہیں اس جماعت کے پنڈال میں جگہ پا سکتا ہے؟ مگر وہ جو اس کریڈ ہی کو صحیح بادر نہیں کرتا، اس کے احاطہ میں کوئی جگہ پانے کا مستحق نہیں ہے اسی پر ہر جماعت کے اصول کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب تک کوئی جماعت اپنے اصول کا، "اس اس جماعت اور عقیدہ کو اتنی اہمیت نہ دے گی، اس کی اہمیت جو سب اہمیتوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے قائم نہیں رہ سکتی۔ اور ملت کی وہ دیوار جس کو اس قدر سخت اور محکم ہونا چاہیے کہ باہر کے سیالب کا ایک قطرہ بھی اس کے اندر نہ جاسکے، اگر اس میں اصول و عقیدہ پر ایمان کا مطالبہ کرنے نہیز ہر کس و ناکس کو داخلہ کی اجازت دے دی جائے تو اس محکم و یوں میں یقیناً نہیں پڑ جائیں گے اور وہ ایک لمحہ کیلئے بھی کسی سیالب کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور وہ

جماعت ایسے پر آگنہ اصول و افراد کا مجموع ہو گی؛ جس کو کسی اتحاد و اشتراک و جامعیت کا رشتہ باہم متحد و مشترک و مجموع نہیں کرتا۔

محکم جماعتیں وہ ہیں جو اپنے کریڈ پر شدت کے ساتھ بھی رہتی ہیں۔ اور جو اس کریڈ کو تسلیم نہیں کرتا، رکن جماعت نہ ہونے کی حیثیت سے وہ ان کی جماعتی برادری میں کوئی اعزاز نہیں رکھتا۔ میا ایک مسلمان جب کہ کسی سیاسی جماعت کا رکن ہو تو اس کیلئے توصیل کار کی یہ سختی جائز بکھر مسخر ہو، مگر وہ اسلامی جماعت کے ممبر کی حیثیت سے اپنے اخلاقی اصول کا راست اور مذہبی ہتھے وحدت میں یہ شدت روا رکھے تو کس عقل سے وہ ملامت کے قابل تھر یا جائے، حالانکہ ہر دلی عقیدہ کا لازمی نتیجہ اسی قسم کی شدت اور استحکام ہونا چاہیے، پھر اگر ایک جگہ وہ ہو اور دوسری جگہ نہ ہو تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ ایک کو دل کی ساتھ جو تعلق ہے، وہ دوسرے کو نہیں۔

## نظام اسلام

اب اگر اسلام اور اسلام کے قانون اور مذہب کو سمجھنا ہے تو اس کی اصل بیان پر نظر رکھنا چاہیے، جس پر اس کی پوری عمارت تعمیر ہوئی ہے۔ وہ بیان اقتصادیات کا کوئی نکتہ، دولت کا کوئی خزانہ، نسل و رنگ کا کوئی امتیاز اور ملک و طن کی کوئی تجدید یہ نہیں ہے۔ بلکہ صرف ایک ہے، اور وہ دنیا کی سب سے بڑی، لا زوال اور وسیع دعا لکیر صداقت، یعنی خدائے واحد پر ایمان ہے، یہ ہے اسلام کی ملت اور برادری کا اصل رشتہ، اسی سے اس کے مذہب اور اس کے قانون کی تمام تفاصیل اور امتیازات کی حدیں قائم ہوتی ہیں، اس کی حیثیت اسلام کی مملکت میں وہ ہے جو کل روم میں رومنیت کی اور آج روس میں اصول بالشویت کی ہے۔

اس بھروسی کے دینی اور دنیاوی حقوق کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس جماعت کے فارمولے پر دستخط کرے اور اس کے کریڈ کو دل و جان سے قبول کرے، آج تمام عہد دنیا کسی عالمگیر برادری کی چیزوں کو تلاش کرنے میں حیران و سرگردان ہیں، مگر نہیں ملتی، حالانکہ سماں ہے تیرہ سو سال پہلے کی طرح آج بھی اسلام یہ توازن لند کر رہا ہے۔

”اے الٰہ کتاب آؤ! ہم اس ایک بات پر متفق ہو جائیں، جو ہمارے لئے تمہارے نزدیک یکساں ہے“ کہ خدا یہ واحد کے سوا کسی لور کی پرستش نہ کریں، ”لور خدا کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو انپاٹ بسنبھائیں“  
یہی توحید اسلام کا وہ نظام نامہ ہے جس پر اس کے دین لور اس کی دنیادونوں کی چیز ہے۔

## توحید، دنیا کی غیر متبدل حقیقت

یہ توحید یعنی عرصہِ ہستی کا صرف ایک فرمان روانے مطلق مانا جس کے سامنے ہر جسمانی و روحانی طاقت ادب سے جھکی ہوئی ہے، اور اس کی بندہ فرمان ہے، اور ساری دنیا اسی ایک کی مخلوق و مخلوم ہے، اور دنیا کی ساری قویں اس کے آگے بھیثیت مخلوق کے بر ابر حیثیت رکھتی ہیں، دنیا کی وہ عظیم الشان حقیقت ہے جو سرتاپا صداقت اور حق ہے اور ایسی عالمگیر ہے جو عرصہ وجود کے ایک ایک ذرہ کو محیط ہے، اور ایسی لازوال جس کو کبھی فنا نہیں اور ایسی کھلی اور واضح کہ جس کے شایم کرنے میں کسی کو عذر نہیں، اور ایسی خیر بجسم جو ہمارے اندر ہر قسم کی نیکیوں کی تحریک کرتی ہے۔ اور جو ایسی تسلیم اور تسلی ہو جو ہر میبہت اور مشکل کے وقت ہمارے لئے صبر و استقلال کی چیزان بن جاتی ہے، اور ایسا مضبوط اور مستحکم سر رشتہ جو کسی وقت ثوث نہیں سکتا، اور اس قدر و سچ کہ جس کے احاطہ عام کے اندر مخلوقات کی ایک ایک فرد دا خل ہو کر اخلاقی حقوق و واجبات کی برادری قائم کر سکتی ہے۔ اور مخلوق و مخلوق دونوں کی وابستگی

اور محبت کا ذریعہ ثابت ہو سکتی ہے۔

غرض یہ ایسی عالمگیر حقیقت ہے، جو سرتاپا صداقت اور حق ہے، جو کبھی نہ بدلتے بلکہ زبانوں میں جو انقلاب ہو، خیالات میں جو تغیر ہو، تمدنوں میں جو انتار چڑھاوے ہو، قوموں میں جو تفریقے پیدا ہوں، مجازی حقیقوں، مادی فائدوں اور سیاسی غایقوں میں جو اختلاف بھی پیدا ہو، مگر وہ ایک حقیقت ہے جو اپنی جگہ پر مسلم رہے گی، اور جس میں کوئی تغیر اور انقلاب پیدا نہ ہو گا، کیونکہ اس کی بیانوں ایک ایسی لازوال ہستی کے لیقین پر ہے، جو مادیات کی دنیا کی طرح دم بدم ثبتی اور بنتی، اور لختہ پر لختہ تغیر اور منقلب نہیں۔

وہ ایک ایسی عالمگیر اور محیط ہستی کا تخیل ہے، جس کے احاطہ عام کے اندر تمام قومیں، تمام ملکتوں بے حد تمام خلوقات یکساں اتحاق کے ساتھ داخل ہیں اس کی ملکیت میں سیاہ و سفید، زمگی و روی، ہندی و فرنگی، عربی و عجمی، امیر و غریب، عورت و مرد، شاہ پسند و جمورویت پسند، حاکم و محاکوم، آقا اور غلام، عالم اور جاہل، سب ملہری کے ساتھ یکساں شامل ہیں، اور اس سے ایسی برادری کا رشتہ قائم ہوتا ہے، جو قوموں میں میں، مملکتوں میں اتحاد اور خلوقات میں فرائض و واجبات کا احساس پیدا کرتا ہے۔

وہ خود مجسم خیر، اور سرتاپا نیکی ہے، اس کی عقیدت اور محبت ہمارے اندر نیکیوں کی تحریک اور برائیوں کی نفرت پیدا کرتی ہے، تاریکی میں بھی اس کی دیکھنے والی آنکھوں اور خلوتوں میں بھی اس کی جھانکنے والی نگاہوں کا سچا عقیدہ، نازک سے نازک موقع پر بھی ہم کو برائیوں سے چھاتا اور نیکیوں کے لئے امداد رکھتا ہے۔

جب ہمارا سارا ٹوٹ جاتا ہے، ہر اعتماد ٹکست ہو جاتا ہے اور ہر امید منقطع ہو جاتی ہے اور جب افراد و قوم کے صبر و استقلال کے پاؤں ڈگنا جاتے ہیں، اور ان کے وجود کی کشتنی منجذب ہماری میں پھنس جاتی ہے، اس وقت اسی ایک کی مدد کا سارا کام آتا ہے۔

اور اسی ایک کی نظرت کا دو ثقہ فتح و ظفر سے ہم کنار کرتا ہے۔ اور مایوس سیوں اور نا امیدیوں کے ہر بادل کو چھانٹ کر رحمت الہی کے نور سے آنکھوں کو پُر نور اور دلوں کو مسرود کر دیتا ہے۔

اب کوئی بتائے کہ کسی ایسی قوم کے لئے جو اپنے کو داعی اور ہمیشہ کے لئے روئے زمین پر آئی ہو اور آخر الامم اور غیر منسون ملت ہونے کی مدعا ہو، اس کے اساس ملت بننے کے لئے ہر روز بدل جانے والے اور ہر صدی میں منقلب ہو جانے والے تھیات اور نظریے کبھی اساس ملت قرار پاسکتے ہیں، اور اسی قوم کے لئے جو کسی نسل، کسی رنگت، اور کسی قطعہ زمین میں اپنے کو محدود نہ کرے، اس عالمگیر خدائی بر اوری سے بڑھ کر کوئی بر اوری مناسب ہو سکتی ہے۔

## عقیدہ توحید کی اخلاقی حیثیت

پھر ایسا عقیدہ جو تنہا ہماری ملت کا اساس ہی نہ ہو، بلکہ ہمارے عمل کی بھی بجیاد ہو، اس خلاق عالم اور علام الغیوب کے ایمان کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا ہے، یہ لازموں اور زندہ جاوید ہستی، ہماری ملت کو لازموں اور زندہ جاوید ہتھی ہے، یہ عالمگیر اور محیط ہستی ہمارے اندر عالمگیر اخوت اور عموی بر اوری کا رشتہ قائم کرتی ہے وہ خیر بھیسم اور سرپا نیک ہستی ہم کو خیر کی دعوت اور نیکی کی صدارتی ہے۔ اس کے کمال اوصاف ہم کو اپنے اخلاقی کمال کا نصب العین عطا کرتے ہیں، اس کے اسراء حسنی اور صفاتِ کاملہ کا عقیدہ ہم کو ہر حیثیت سے حسین اور کامل بننے کا درس دیتا ہے۔

اس سے ظاہر ہو گا کہ خدا اور اس کی ذات و صفات پر اعتقاد مخفی نظریہ کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اس کی حیثیت تمام تر عملی ہے۔ اس کی صفات عالیہ ہمارے اوصاف حسنة کے لئے نمونہ ہیں، اور اس کی محاذ کریمہ ہمارے اعمال و اخلاق کی قیمت

کے لئے تحریر اور اقتاں کا م斯特ر ہیں۔

## خیروشر کی تمیز

جس طرح دنیا کی دوسری چیزیں فیض نہ خیر ہیں نہ شر ہم ان کی خیر یا شر صرف ان کے موقع استعمال کے لحاظ سے کہتے ہیں۔ آگ فیض نہ خیر ہے نہ شر، لیکن جب کوئی خالم اس آگ سے کسی غریب کا جھونپڑا جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے تو وہ شر ہو جاتی ہے۔ لیکن جب اسی آگ سے کوئی رحم دل انسان چولماً گرم کر کے کسی بھوکے کے لئے کھانا پکاتا ہے تو وہ خیر ہو جاتی ہے، اسی طرح نیک و بد اعمال بظاہر یکساں ہیں، اور ان میں نیک و بد کی تمیز نہیں کی جاسکتی، جب تک کہ اس غرض و غایت کا لحاظ نہ کیا جائے جس کے لئے وہ کام کیا جاتا ہے۔ ایک ڈاکو کا ایک مسافر کو قتل کر دینا اور ایک حکومت کا کسی ڈاکو کو پھانسی دینا، یکساں ائتلاف جان کا فعل ہے، لیکن پھر دنیا اگر ایک کو خیر اور ایک کو شر کرتی ہے تو وہ اس غرض و غایت کی بنا پر ہے جس کے لئے یہ دونوں قتل کئے گئے ہیں ڈاکو جب قتل کا مرتكب ہوا ہے، اس سے اس کا مقصود مسافر کے مال پر خالمانہ قبضہ تھا اور اس راہ میں اس کے مالک کے ہاتھ قتل کا آخری نتیجہ راستہ کی بد امنی اور ملک کی ویرانی ہے۔ اور سزادی نے والی حکومت کی غرض لوگوں کی جان و مال کی حفاظت، راستہ کا امن، اور ملک کو آباد کرتا ہے، اس لئے پھلا فعل شر اور دوسرا خیر ہے۔

خیروشر کی فلسفیانہ تحقیق، ان کی باہمی تمیز نہیں مشکل ہے، جس کو نہ ہر عالمی و جمالی سمجھ سکتا ہے اور نہ اس سے متأثر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ خیروشر کے اکثر امور پر تمام دنیا متفق ہے۔ اس لئے مذہب نے ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک کے لئے ایک آسان

اصول یہ ضع کر دیا کر وہ تمام باتیں جن کو خدا نے تعالیٰ پسند کرتا ہے، خیر ہے اور جن کو  
ناپسند فرماتا ہے وہ شر ہے، اس کے اصول سے نہ خیر و شر کی حقیقت بدلتی ہے، نہ ان  
کے نفع و ضرر کا پلوبدلتا ہے، نہ دنیا کے فائدے اور نقصان میں کسی پیشی ہوتی ہے، ہاں  
یہ ہوتا ہے کہ اس اصول کی تاثیر دلوں میں ایسی رائغ ہو جاتی ہے کہ جنگل و صحرائی سے  
لیکر مہذب و تعلیم یافتہ تک اس اصول کے ماتحت خیر پر عمل کرنے اور شر سے چھنے  
کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آج دنیا میں جس قدر بھی خیر کا وجود ہے، اور شر سے  
احتراز ہے وہ اسی پیغمبرانہ تعلیم کا نتیجہ ہے، فلسفیانہ نکتہ آفرینیوں کا نہیں، اُرسطو اور اپنسر  
کے اصول اخلاق کو پڑھ کر اور سمجھ کر کتنے نیک اور خوش اخلاق پیدا ہوئے، اور مسیح و محمد  
علیہما السلام کی تعلیم و تاثیر نے کتنوں کو خوش اخلاق اور نیک کردار مہیا، اور آج دنیا میں  
لندن و نیویارک کے بازاروں سے لے کر افریقہ کے صحراؤں اور جنگلوں اور ہندوستان  
کے دیساوں تک میں نیکی کی اشاعت اور برائی سے پر ہیز کی تعلیم انیاء کے پیروؤں  
کے ذریعہ ہو رہی ہے یا فلاسفیوں کے؟ بالشویکوں کے ذریعہ انجام پار رہی ہے یا نازیوں  
کے؟ سووسلستوں کے ذریعہ یا فسیسوں کے؟ دل کا چین اخلاق کی طاقت اور  
عالیٰ انسانی برادری کی دولت اگر ممکن ہے تو وہ صرف اس توحید کے ذریعہ جس کی  
دعوت اسلام دیتا ہے۔ اور اس ایمان کی بدولت جس کو اسلام دنیا کے سامنے پیش کرتا  
ہے۔ جس کی وسعت میں ساری دنیا آرام کر سکتی ہے، اور جس کے سایہ میں انسانوں  
کے ہنائے ہوئے سارے انتیازات مٹ جاتے ہیں، اور جس کی بیاد اتنی مضبوط ہے کہ  
آسمان و زمین کی بیوادیں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو ہٹ جائیں مگر وہ اپنی جگہ سے ہٹ  
نہیں سکتی۔

# خُدا کا آخری پیغام

## خدا کا آخری پیغام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْنَطَفَیْ  
اسلام

اسلام دنیا میں خدا کا آخری پیغام ہے، وہ دنیا میں رہب کی محیل ہے، وہ اپنے پیغمبر کے الفاظ میں دینِ اللہ کی عمارت کا آخری پتھر ہے، وہ فطرت ہے، اور فطرت کے مطابق ہے، وہ دنیا میں اس وقت صلح و امن کا جھنڈا اڑاتا آیا، جب دنیا خاک و خون میں لختہ ری ہوئی تھی، وہ اس خدا منادی ہے، بجور حم بجسم، عدل بجسم، نیکی بمحض، خیر کل اور امن و امان ہے، وہ ظلم و تم، بے اطمینانی و اضطراب، شک و شبہ کے طوفانوں سے بھاٹ کر، امن و امانی کے طلبگاروں کو ایک ہی پناہ کی جگہ بتاتا ہے۔

فَيَرُوَا إِلٰى اللّٰهِ (الذِّرِيْت)      ہر طرف سے بھاگ کر اللہ کی طرف جاؤ۔

## مخالفین کی نکتہ چینی

اس حقیقت کے باوجود یہ کس قدر افسوس انک ہے کہ مسیحی مبلغین اور یورپیں مستشر قین نہایت فخر و غرور اور طعن و طنز کے ساتھ اسلام پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ اس نے خدا کو جو تخلی اپنے ہیر و دل کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک جبار، قمار، پر غصب، صاحب جلال و جبروت شہنشاہ ہے جس سے ہمیشہ بدوں کو ڈرتے

اور کا نپتے رہنا چاہیے اور اس تخلیل کا اثر اسلام کے تمام احکام میں نمایاں ہے، بہ خلاف اس کے عیسائی مذہب اس کو محبت، پیار، رحمت اور شفقت کے پیکر میں جلوہ گر کرتا ہے، اور اسی لئے اس کو "باپ" کے نام سے پکارتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کی نصیحتوں میں زی، اور رحم و کرم کا جذبہ غالب ہے۔

مستشر قین اسی اعتراض کو اس صورت میں پیش کرتے ہیں کہ چونکہ اسلام ایک جگہ بوندہ ہب ہے اس لئے اس کے تخلیل میں خدا کی جباری و قہاری اور غیظ و غضب کا تصور سب سے زیادہ ہے، اور اسلام کی یہی کمی تھی جس کو تصوف نے آکر پورا کیا، اور جائے اس کے کہ فقہا کی طرح خدا کی اطاعت کا مبنی خیست اور خوف الہی کو قرار دیا جائے، انسوں نے خدا کے عشق و محبت کو قرار دیا۔

## و عوت عمل

ہاؤشايان اسلام کو، اسلام کے متعلق بحث و کاوش کرتے ہوئے یہ نکتہ بھیش پیش نظر رکھنا چاہیے کہ وہ محض تخلیل اور خیال آراء مذہب نہیں ہے بلکہ وہ اس عملی دنیا کا عملی مذہب ہے، دنیا میں کروڑوں انسان ہیں، ہر انسان کے پیچھے ہزاروں کام ہیں، ہر انسان کے ہر کام کا تعلق دوسرے انسان سے ہے، ان دونوں انسانوں میں کوئی باہمی تعلق ایسا ہو ناچاہیے جو ایک کو دوسرے سے پیوستہ کر دے۔ ایک کو دوسرے کی طرف جھکا دے، اور ایک کا رشتہ دوسرے کے ساتھ جوڑ دے، ان تعلق، اس پیو تخلیل اور اس رشتہ کو جو چیز پیدا کرتی اور قائم رکھتی ہے، وہ محبت اور خوف کا جذبہ ہے، اسی کی تعبیر دوسرے الفاظ میں یہ ہے کہ وہ نفع کی طرف رغبت اور ضرر سے نفرت کا جذبہ ہے۔

## امید و شکم

فرض انسان کی تمام تحریکات کا سر بیاد، محبت و خوف، رغبت لفظ اور نفرت ضرر ہے، خدا الہ اس کے صفات کے متعلق انسان کے جو خیالات اور تصورات ہیں وہ بھی اسی اصول کے ماتحت ہیں، دشمنی اقوام کے مذہبی خیالات پر غور کرو تو معلوم ہو گا کہ وہ فطرت کے مناظر اور موجودات کی پرستش اسی اصول کے مطابق کرتے ہیں، بعض چیزوں سے وہ ڈرتے ہیں، تو وہ ان کی پوجا کرتے ہیں، کہ ان کے ضرر سے محفوظ رہیں، بعض دوسری اشیاء کے لطف و کرم کے متوقع ہوتے ہیں کہ وہ ان کے منافع سے بیکارہ اندوڑ ہو سکیں۔

لب عام آسمانی معاملات، کور کار بیار پر غور کرو کہ انسان کی موجودہ فطرت کو بیش نظر رکھتے ہوئے یہ ممکن ہے کہ دنیا کا یہ نظام، صرف محبت اور رغبت کے جذبات سے چل سکے؟ اگر ایک دن بھی دنیا کے بازاروں، سلطنتوں کے دفاتر، کاروبار جماحتوں کی محلوں اور سوسائٹیوں میں تھا اس پر عمل ہو، تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے، کور اطاعت و فرمانبرداری کا جس پر تنظیم اور ضابطہ داری (ڈپلین) کا دارو بدار ہے، خاتمه ہو جائے، اسی طرح اگر صرف نفرت و عداوت اور خوف و خشیت تمام تر عالم کے کاروبار میں دخیل ہو جائے تو یہ دنیا جنم کا طبقہ عن جائے، اور دلوں کی ٹکنگی اور انبساط جو ہماری سرگرمیوں اور دلوں کا مایہ حیات ہے دفعہ فنا ہو جائے، اس لئے دنیا کے نظام ان دو گونہ جذبات کے بغیر کبھی قائم نہیں رہ سکتے، انسان اپنے ہر عمل میں ان دونوں کے سارے کامیاب ہے۔

## مل قدمیہ

اسلام سے پہلے جو آسمانی مذاہب قائم تھے ان میں افراط و تفریط پیدا ہو گئی

تھی، اور صراطِ مستقیم سے وہ تمام ترہت گئے تھے، یہودی مذہب کی بنا سرتاپا خوف، خشیت اور سخت گیری پر تھی، اس کا خدا "فوجوں کا پہ سالار" اور باپ کا بد لہ پھٹھا پشت تک بیٹھوں سے لینے والا تھا، یہودیت کے صحیفوں میں خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کا ذکر شاذ و نادر کیس نظر آئے گا، اس کے بعد عکس عیسائیت تمام تر خدا کے رحم و کرم اور محبت و شفقت کے مذکروں سے معمور ہے اس کے "اکلوتے پئے کا باپ" تمام ان انوں کا باپ ہے، وہ اپنے "فرزندوں" کے جرم و خطاء سے غصب ناک نہیں بلکہ پیشیان اور متاسف ہوتا ہے۔

## حقیقتِ اسلام

اس افراط اور تفریط کا نتیجہ یہ ہے کہ یہودیت ایک خلک اور بے لذت مذہب بن گیا، اور عیسائیت اس قدر تر ہے کہ تردد امنی اس کے نزدیک عیب نہیں، ایک گنگہار عورت کو یہودیت سنگار کرنے کا حکم دیتی ہے، لیکن عیسائیت صرف اسی قدر کمی ہے کہ "جو گنگہار نہ ہو وہ اس عورت کو پتھر مارے" اور اے عورت! جا، پھر ایسا نہ کرنا "اسلام" تفصیل کرتا ہے، مجبور و مجنون و مد ہوش وغیرہ مستثنی ہیں، بے شوہر عورت اور من بیوی کے مرد کو کوڑے مارے جائیں، شوہروالی عورت اور بیوی والا مرد سنگار ہو گا، یہودی مذہب کسی باز پر س کے بغیر ہر حال میں مرد کو طلاق کی اجازت دیتا ہے، ملت عیسوی، کسی حال میں طلاق کا فتویٰ جاری نہیں کرتی، اسلام اس کے متعلق تفصیلی احکام رکھتا ہے، غرض یہی حال اسلام کا تمام دیگر مسائل میں ہے کہ وہ عیسائیت اور یہودیت کے درمیان ہمیشہ یقینی راہ اختیار کرتا ہے، اور یہی اسلام کی سب سے بڑی فضیلت ہے، قرآن کرتا ہے۔

اس طرح اے مسلمانو! ہم نے تم کو حق کی  
امت بنا کر لوگوں پر گواہ ہو۔

وَسَكَنْدِلَكَ جَعَلْنَا كُمْ أُمَّةً وَسَطَا<sup>۱</sup>  
لِتَكُونُوا شَهَدًا عَلَى النَّاسِ  
(ابقرة)

یہی حال، اعتقادیات کا ہے، وہ نہ تخد اکو محض جبار، قبار، رب الافق اور صرف بنی اسرائیل یا بنی اسrael کا خدا لامانتا ہے، اور نہ اس کو بھرم انسان، انسانوں کا باپ، یا محمد صلم کا باپ، سمجھتا ہے، اور تھار حم و کرم اور محبت و شفقت کے صفات سے متصف کرتا ہے، وہ خدا کی نسبت یہ یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پر قاهر بھی ہے، اور رحمٰن و کریم بھی ہے، وہ ملتهم اور شدید العقاب بھی ہے، اور غفور و رحیم بھی ہے، وہ اپنے بندوں کو سزا بھی دیتا ہے، اور پیدا بھی کرتا ہے، بھلاڑتا بھی ہے، اور نوازتا بھی ہے، نفع اور نقصان دونوں اسی کے ہاتھ میں ہیں، اس سے ڈرنا بھی چاہیے اور اس سے محبت بھی کرنی چاہیے۔

أَذْعُوْرَبِكُمْ تَضَرِّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ  
(لوگو!) اپنے پروردگار کو گز گز اکر، پچکے  
لَا يَحِبُّ الْمُعْتَدِلِينَ وَلَا<sup>۲</sup>  
پچکے پکار کرو، وہ حد سے بیاہ جانے والوں  
تُفَسِّلُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحٍ<sup>۳</sup>  
کو پیدا نہیں کرتا، اور زمین میں اس کی  
وَأَذْعُوْهُ خَوْفًا وَطَمْعًا إِنَّ  
درستی کے بعد فساد نہ پھیلا دا اور اس کو (اس)  
رَحْمَةَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ  
کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس)  
كرو  
كے فضل و کرم کی) لوگاتے ہوئے پکارا  
الْمُحْسِنِينَ هـ  
(اعراف)

اس سے زیادہ پر لطف یہ ہے کہ اسلام خدا سے لوگوں کو ڈرتاتا ہے، مگر اس کو جبار اور قبار کہ کر نہیں بلکہ میریان اور رحیم کہ کر، خدا کے سعید بندوں کی صفت یہ ہے کہ۔

وَخَشِنَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ (بِسْ) اور حرم کرنے والے سے من دیکھے درا  
مَنْ خَشِنَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ (ق) اور جرم کرنے والے سے من دیکھے درا

نہ صرف انسان بلکہ تمام کائنات کی زبانیں اس کے سامنے گنگ ہیں

وَخَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ اور حرم والے کے ادب سے تمام آوازیں  
لِرَحْمَنِ (ط) پست ہو گئیں۔

## انچہ خوبالا ہمه دارند تو تہاداری

کسی حسین اور محبوب چیز کی نسبت، اگر اس کے عاشقون اور محبت کرنے والوں سے پوچھا جائے کہ اس کی کوئی ادائیگی کو پسند آئی، اس کے کس حصہ میں تم کو حسن و جمال کا مظہر نظر آتا ہے؟ اس کے کس حصہ و خوبی نے تم کو فریغت کیا ہے؟ تو یقیناً پوری جماعت کا ایک ہی جواب نہ ہو گا، کوئی کسی حصہ کا نام لے گا، کوئی کسی او اکی تعریف کرے گا، کوئی کسی خوبی کا اپنے کوشیدا بنائے گا، اسی طرح دنیا میں جو پیغمبر آئے وہ کہی قسم کے تھے، ایک وہ جن کی آنکھوں کے سامنے خدا کے صرف جلال و کبریائی کا جلوہ تھا، اور اس لئے وہ صرف خدا کے خوف و خیثت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوح اور حضرت موسیٰ دوسرے وہ جو محبت الہی میں سرشار تھے اور وہ لوگوں کو اسی خانہ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ۔

لیکن پیغمبروں میں ایک ہستی آئی جو بر رزق کبریٰ، منیج جلال و جمال، اور جامع مسقی و ہوشیاری تھی، یعنی محمد رسول اللہ صلم، ایک طرف آپ کی آنکھیں خوف الہی سے اٹک گو درہ تھی تھیں، دوسری طرف آپ کا دل خدا کی محبت اور حرم و کرم سے مسرو رہتا، کبھی ایسا ہوا تاکہ ایک ہی وقت میں یہ دونوں منظروں لوگوں کو نظر آجائے، چنانچہ

جب راتوں کو آپ شوق و دلولہ کے عالم میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے، قرآن مجید کی لمبی لمبی سورتیں زبان مبارک پر ہوتیں، ہر قسم اور ہر معنی کی آئیں گذرتی جاتیں، جب کوئی خوف و خشیت کی آیت آتی، پناہ مانگتے، اور جب کوئی مدد و محبت اور رحم و بشارت کی آیت آتی تو اس کے حصول کی دعا (۱) مانگتے۔

## راہ اعتدال

الغرض اسلام کا نصب العین یہ ہے کہ خوف و خشیت اور رحم و محبت کی بیان کے شاہراہ میں انسانوں کو کھڑا کرے، اسی لئے کہا گیا ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء "ایمان کامل خوف اور امید کے درمیان ہے" کہ تباخ خوف، خدا کے رحم و کرم سے نامید اور محض رحم و کرم پر بھروسہ لوگوں کو خود سر اور گستاخ بنا دیتا۔ جیسا کہ اس عملی دنیا کے روزانہ کے کاروبار میں ہم کو تم کو اور سب کو نظر آتا ہے، اور مذہبی خشیت سے عملاً اس کے نتائج کا مشاہدہ یہودیوں اور عیسائیوں میں کیا جاسکتا ہے کہ ایک نامید محض اور دوسرا سر تپا امید ہے۔

عیسائیوں نے خدا سے اپنارشتہ جوڑا اور اپنے کو "فرزند اللہی" کا لقب دیا، بعض یہودی فرقوں نے بنی اسرائیل کو خدا کا خانوادہ اور محبوب نامہ لیا اور حضرت عیسیٰ کے جوڑ پر، حضرت عزیز کو "فرزند اللہی" کا رتبہ دیا، لیکن اسلام یہ شرف کسی مخصوص خاندان یا خاص قوم کو عطا نہیں کرتا، بلکہ وہ تمام انسانوں کو مدد گی اور اطاعت کی ایک سطح پر لاکھڑا کرتا ہے مسلمانوں کے مقابلہ میں یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کا دعویٰ تھا۔

نَحْنُ أَنْبِئُ اللَّهُ وَأَحْبَأُوهُ ط (ماٹہ) ہم خدا کے بیٹے اور چبیتے ہیں۔

قرآن مجید نے اس کے جواب میں کہا:-

اگر ایسا ہے تو خدا تم کو تمہارے گناہوں  
کے عذاب کیوں دیتا ہے اس لئے تمہارا  
دُنیوی صحیح نہیں بلکہ تم بھی اُسیں انسانوں  
میں سے ہو جن کو اس نے پیدا کیا۔

قُلْ فَلِمْ يَعْلَمُكُمْ بِذَنْبِكُمْ طَبْلٌ  
أَتَّمْ بَشَرٍ مِّمْنَ خَلْقِهِ طَ  
(آنکہ)

دوسری جگہ قرآن نے تھایوسودیوں کے جواب میں کہا

اے وہ جو یہودی ہو، اگر تم اپنے اس خیال  
میں پچھے ہو کہ تمام انسانوں کو چھوڑ کر تم  
ہی خدا کے خاص چیزیت ہو تو موت (یعنی  
خدا کی ملاقات) کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔

يَا إِيَّاهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعْمُتُمْ  
أَنَّكُمْ أَوْلَيَاءُ رَلِلَّهِ مِنْ ذُو نَّ  
النَّاسِ فَقَمْتُمُوا إِلَيْهِ الْمَوْتَ إِنْ كُوْتُمْ  
صَلِيْقِينَ (جہد)

اسلام 'رحمت اللہ' کے شک دائرہ کو کسی خاندان اور قوم تک محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ اس  
کی وسعت میں انسانوں کی ہر برادری کو داخل کرتا ہے ایک شخص نے مسجد نبوی میں  
اکر دعا کی کہ "خدا! مجھ کو اور محمد ﷺ کو مغفرت عطا کر آپ نے فرمایا" خدا کی وسیع  
رحمت کو تم نے شک دیا (۱) ایک اور اعرافی نے مسجد میں دعا مانگی کہ "خدا! مجھ پر  
اور محمد ﷺ پر رحمت پہنچ، اور ہماری رحمت میں کسی کو شریک نہ کر" آپ نے صحابہ کی  
طرف خطاب کر کے فرمایا۔ "یہ زیادہ گمراہ ہے، یا اس کا لونٹ (۲)"۔

### غلط فہمی کا سبب

اسلام کے متعلق عیسائیوں نے جو یہ غلط فہمی پہنچ لارکھی ہے، کہ اس کا خدا  
رحم و کرم اور محبت اور پیار کے اوصاف سے مرتا ہے، اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ  
اسلام 'عیسائیت کی اس اصطلاح اور طرز ادا کو سخت ناپسند کرتا ہے، جس کے ذریعہ سے

(۱) صحیح فارسی مکتب الادب = (۲) ابو داؤد مکتب الادب

وہ خدا کے ان اوصاف کو نمایاں کرتی ہے، یعنی باپ اور بیٹے کا لفظ کہ؟ اس سے گمراہی پھیلتی ہے، یہ گمراہی کچھ عیساً یوسُوٰ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اور دوسرے فرقے بھی اس ظلٹی میں جلتا ہیں۔

اصل یہ ہے کہ خدا اور بندہ کے باہمی مردمجت کے جذبات کو فرقے اپنی بولی میں نمایاں کرنا چاہتے ہیں، یہ جذبات انسانوں کے اندر باہمی رشتہوں کے ذریعہ سے نمایاں ہوتے ہیں، اس بعض بادان فرقوں نے اس طریقہ ادا کو خالق و مخلوق کے ربط و تعلق کو ظاہر کرنے کے لئے بہترین اسلوب سمجھا، چنانچہ کسی نے خالق اور مخلوق کے درمیان باپ اور بیٹے کا تعلق پیدا کیا جیسا کہ عیساً یوسُوٰ میں ہے، دوسرے نے ماں کی محبت کا بہرا درجہ سمجھا، اس لئے اس تعلق کو، ماں اور بیٹے کی اصطلاح سے واضح کیا، اور دیگر انسانوں کی ماتائیں میں، جیسا کہ ہندوؤں کا عام نہ ہی تخلی ہے، خاص ہندوستان کی خاک میں زن و شو کی باہمی محبت کا امتیازی خاصہ ہے، جس کی نظر دوسرے ملکوں میں نہیں مل سکتی ہے، اس کی نگاہ میں محبت کا اس سے زیادہ پراثر منظر اور ناقابل نکست پیمان کوئی دوسرا نہیں، اس لئے یہاں کے بعض فرقوں میں خالق و مخلوق کی باہمی محبت کے تعلق کو زن و شو کی اصطلاح سے ادا کیا جاتا ہے، سدا سماں فقر اس تخلی کی مفعکہ انگیز تصویر ہیں۔

## انتہائی ضلالت

دیکھو! یہ تمام فرقے جنہوں نے خدا اور بندہ کے تعلق کو جسمانی اور مادی رشتہوں کے ذریعہ ادا کرنا چاہا، وہ کس قدر راہ سے بھٹک گئے اور لفظ کے ظاہری استعمال نے نہ صرف ان کے عوام کو بلکہ خواص تک کو گراہ کر دیا، اور لفظ کی اصلی روح کو چھوڑ کر جسمانیت کے ظاہری مفاظتوں میں گرفتار ہو گئے، عیساً یوسُوٰ نے واقعی حضرت عیسیٰ کو پہا سمجھ لیا، ہندوستان کے بیٹھوں نے ماتاؤں کی پوجا شروع کر دی،

سداساًگ فقیروں نے چوریاں اور سازیاں پین لیں، اور خدا نے قادر شو خیاں کرنے لگے، اسی لئے اسلام نے جو توحید خالص کا مبلغ تھا، ان جسمانی اصطلاحات کی سخت مخالفت کی، اور خدا کے لئے ان الفاظ کا استعمال اس نے ضلالت اور گمراہی قرار دیا، لیکن وہ ان الفاظ کے اصلی معنی اور مفہام کو، اور اس مجاز کے پرده میں جو حقیقت مستور ہے اس کا انکار نہیں کرتا بلکہ وہ ان جسمانی معنوں کو خالق و خلوق اور عبد و معبود کے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے ناقابلی اور غیر مکمل سمجھتا ہے اور ان سے بھی زیادہ و سبع معنی کا طالب ہے۔

فَإِذْ كُرُوا اللَّهُ كَذَّبُوكُرِّكُمْ أَبْيَاءَ كُمْ  
بَابُوكُمْ كُو يَادُوكُرْتَهْ بَلْكَهْ اس سے بھی زیادہ  
أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا يَادُكُرُو (۴۹)

دیکھو! کہ باپ کی طرح کی محبت کو وہ اپنے پروردگار کی محبت کیلئے ناقابلی قرار دیتا ہے، اور عبد و معبود کے درمیان محبت کے رشتہ کو اس سے لور زیادہ مضبوط کرنا چاہتا ہے۔

### خدا کا تصور

الغرض رحم و محبت کے اس جسمانی طریقہ تعبیر کی مخالفت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام سرے سے خالق و خلوق اور عبد و معبود کے درمیان محبت اور پیار کے جذبات سے خالی ہے، اتنا کون نہیں سمجھتا کہ نہ ہب کی تعییمات انسانوں کی بولی میں اتری ہیں، ان کے تمام خیالات اور تصورات اسی نادی اور جسمانی ماحول کا عکس ہیں، اس لئے ان کے ذہن میں کسی غیر مادی اور غیر جسمانی ذات کا تصور مادی اور جسمانی تصور کی وساحت کے بغیر بر اہ راست پیدا نہیں ہو سکتا، اور نہ اس کے لئے ان کی لفت

کا کوئی ایسا لفظ مل سکتا ہے، جو غیر مادی اور غیر جسمانی مفہوم کو اس قدر منزہ اور بلند طریقہ سے میان کرے جس میں مادیت اور جسمانیت کا مطلق شائیب نہ ہو، انسان ان دیکھی چیزوں کا تصور، صرف دیکھی ہوئی چیزوں کی تشبیہ سے پیدا کرتا ہے، اور اس طرح ان ان دیکھی چیزوں کا ایک دھنڈ لاسائکس ذہن کے آئینہ میں اتر جاتا ہے۔

اس "ان دیکھی ہستی" کی ذات و صفات کے متعلق، جس کو تم خدا کہتے ہو، ہر مذہب میں ایک تخيیل ہے، غور سے دیکھو تو معلوم ہو گا کہ یہ تخيیل بھی اس مذہب کے میروں کے گردوپیش کی اشیاء سے ماخوذ ہے، لیکن ایک بلند تراور کامل تر مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس تخيیل کو مادیت، جسمانیت اور انسانیت کی آلایشوں سے اس حد تک پاک و منزہ کر دے، جہاں تک بنی نوع انسان کے لئے ممکن ہے، خدا کے متعلق باب، ماں اور شوہر کا تخيیل اس درجہ مادی، جسمانی اور انسانی ہے کہ اس تخيیل کے معتقدنا ممکن ہے کہ خالص توحید کے صراط مستقیم پر قائم رہ سکیں، جیسا کہ تم اعلانیہ دیکھ رہے ہو، اس لئے اسلام نے یہ کیا کہ ان مادی تعلقات اور جسمانی رشتہوں کے الفاظ کو، خالق و مخلوق کے اظہار ربط و تعلق کے باب میں یک قلم ترک کر دیا، بلکہ ان کا استعمال بھی شرک و کفر قرار دیا تاہم چونکہ حقائق روحانی کا اظہار بھی انسانوں ہی کی مادی بولی میں کرنا ہے، اس لئے اس نے جسمانی و مادی رشتہ کے ان جنبات، احساسات اور عواطف کو خالق و مخلوق کے تعلقات مابین کے اظہار کے لئے مستعار لے لیا، جن کا اظہار دوسرے مذاہب نے، ان رشتہوں کے ذریعہ کرنا چاہا تھا، اور اس طرح خالق و مخلوق کے درمیان کوئی جسمانی رشتہ قائم کئے بغیر ربط تعلق کا اظہار اس نے کیا، اور انسانوں کو استعمالات کی لفظی غلطی سے جو گمراہیاں پسلے پیش آچکی تھیں، ان سے ان کو محفوظ رکھا۔

ہر زبان میں اس خالق ہستی کی ذات کی تعبیر کے لئے کچھ نہ کچھ الفاظ ہیں، جن کو کسی خاص تخيیل اور نسب اعین کی بنا پر مختلف قوموں نے اختیار کیا ہے، اور گوان-

کی حیثیت اب علم اور نام کی ہے، تاہم وہ در حقیقت پسلے پسل کسی نہ کسی وصف کو خیش نظر کھ کر استعمال کئے گئے ہیں، ہر قوم نے اس علم اور نام کے لئے اسی وصف کو پسند کیا ہے جو اس کے نزدیک اس خالق ہستی کی سب سے بڑی اور سب سے ممتاز صفت ہو سکتی تھی۔

## من مو، من

اسلام نے خالق کے لئے جو نام اور علم اختیار کیا ہے وہ لفظ اللہ ہے اللہ کا لفظ اصل میں کس لفظ سے نکلا ہے، اس میں اہل لغت کا بقیناً اختلاف ہے، مگر ایک گروہ کیشہر کا یہ خیال ہے کہ یہ "وَلَا هُوَ سَمِعٌ لِّلَّهِ وَلَا هُوَ رَأْيٌ" اصل معنی عربی میں اس "غم" "محبت" اور "تعلق خاطر" کے ہیں جو مال کو اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے، اسی سے بعد کو مطلق "عشق و محبت" کے معنی پیدا ہو گئے اور اسی سے ہماری زبان میں لفظ والہ (شیدا) مستعمل ہے، اس لئے اللہ کے معنی "محبوب اور پیارے" کے ہیں، جس کے عشق و محبت میں نہ صرف انسان بلکہ کائنات کے دل سر گردان، متھیر اور پریشان ہیں، حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن رحمٰن مرحٰم آبادی قرآن مجید کی آیتوں کے ترجمے اکثر ہندی میں فرمایا کرتے تھے، اللہ کا ترجمہ وہ ہندی میں "من مو، من" یعنی "دلوں کا محبوب" کیا کرتے تھے۔

## رحمان و رحیم

قرآن مجید کھولنے کے ساتھ ہی خدا کی جن صفتیں پر سب سے پہلے نگاہ پڑتی ہے، وہ "رحمان" اور "رحیم" ہیں ان دونوں لفظوں کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں، یعنی "رحم والا" "مریبان" "لطف و کرم والا" اور پھر یہی اوصاف **بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ (محبوب، مریبان، رحم والا)** قرآن مجید کے ہر سورہ

کے آغاز میں پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، ہر نماز میں کئی کمی و فعد ان کی سکرار ہوتی ہے، کیا اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلام کے تخيّل کو واضح کرنے کے لئے کوئی دلیل مطلوب ہے۔

لفظ اللہ کے بعد اسلام کی زبان میں خدا کا دوسرا علم یعنی لفظ "رحان" ہے، جو حم و کرم اور لطف و مر کے معنی میں صفت مبالغہ کا لفظ ہے۔

فُلَ أَدْعُوا اللَّهَ أَوَاذْغُوا الرَّحْمَنَ  
أَيَّاً مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ  
الْخَيْسُنِي  
اس کو محبوب کو یا میریاں کو، جو کہ کراس کو پکارو، اس کے سب ہی نام اجھے ہیں۔

قرآن مجید نے لفظ بسم اللہ الرحمن الرحيم کی صد بار کی سکرار کو چھوڑ کر 53 موقوں پر خدا کو اس نام سے پکارا ہے۔

### اسمائے الہیہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے بیسیوں اوصافی نام ہیں، احادیث میں اس کے ننانوے نام گنائے گئے ہیں، ان ناموں میں اللہ تعالیٰ کے ہر قسم کے جلائی و جمالی اوصاف آگئے ہیں، لیکن استقصار کرو تو معلوم ہو گا کہ ان میں بڑی تعداد انہیں ناموں کی ہے، جن میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور صرہ و محبت کا اظہار ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام یا ایک وصف الودود (سورۃ ذات البروج میں) آیا ہے، جس کے معنی "محبوب" اور پیارے کے ہیں، کہ وہ سرتاپا مero محبت اور عشق اور پیار ہے، اس کے سوا خدا کا ایک اور ہام الوتی ہے، جس کے لفظی معنی "یار" اور "دوست" کے ہیں، خدا کا ایک اور نام قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے وہ الرَّؤوف ہے "رؤوف" کا لفظ "رافت" سے لکھا ہے "رافت" کے معنی اس محبت اور تعلق خاطر

کے ہیں جو باپ کو اپنی اولاد سے ہوتا ہے، اسی طرح خدا کے لئے قرآن مجید میں ایک اور نام حناء آیا ہے جو "حن" سے مشتق ہے، حن اور "حنین" اس سوزدگی اور محبت کو کہتے ہیں جو ماں کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے، یہ الفاظ ان مجازی اور مستعار معانی کو ظاہر کرتے ہیں، جو اسلام نے خالق و مخلوق اور عبد و معبد کے ربط و تعلق کے اظہار کے لئے اختیار کئے ہیں، دیکھو کہ وہ ان رشتتوں کا نام نہیں لیتا ہے، لیکن ان رشتتوں کے درمیان محبت اور پیار کے جو خاص جذبات ہیں ان کو خدا کے لئے بے تکلف استعمال کرتا ہے، اس طرح مادیت اور جسمانیت کا تخيّل آئے بغیر وہ ان روحانی معانی کی تلقین کر رہا ہے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے جو اسماء اور صفات مذکور ہیں، ان کو بھی اس موقع پر پیش نظر رکھنا چاہیے اس کا نام غفار (غش کرنے والا) غفور (غشے والا) سلام (امن و سلامتی) ہے کہ وہ سرتاپا اپنے بے پناہ ہندوں کیلئے امن اور سلامتی ہے پھر وہ مُؤْمِن (امن دینے والا ہے)، وہ العَدْلُ (یعنی سرتاپا انصاف ہے، الْعَفْوُ (معاف کرنے والا ہے) الْوَهَابُ (عطایا کرنے والا) الْحَلِيمُ (بردبار) الْصَّبورُ (ہندوں کی گستاخیوں پر صبر کرنے والا) التَّوَّابُ (ہندوں کے حال پر رجوع ہونے والا) الْأَلَبُرُ (نیک اور بھرم خیر) اور الْمَقْسِطُ (منصف اور عادل) ہے ان میں ہر لفظ پر ثہر کر ذرا غور کرو کہ اسلام کا تخيّل کس قدر بلند اور برتر ہے۔

## كتب سابقة

توراة کے اسفار اور انجیل کے صحیفوں میں ایک ایک ورق ڈھونڈو کیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ مدد محبت یہ سرپا مہر و کرم اہماء و صفات کی یہ کثرت تم کو وہاں ملے گی؟ اسلام اللہ تعالیٰ کے لئے ماں اور باپ کا لفظ یہودی و نصاریٰ اور ہندو کی طرح

استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتا، مگر اس لطف احساس اور مردگرم کے جذبات و عواطف سے وہ بے بہرہ نہیں جن کو یہ فرقے اپنا مخصوص سرمایہ روحانی سمجھتے ہیں، مگر جذبات یہ ہے کہ ان روحانی جذبات اور معنوی احساسات کے ساتھ وہ شرک و کفر کی اس ضلالت اور گمراہی سے بھی انسان کو چاہانا چاہتا ہے، جو ذرا سی لفظی غلط فہمی سے مجاز کو حقیقت اور استعارہ کو اصلیت سمجھ کر، پاک اور سرتاپ روحانی معانی کو مادی اور مجرم یقین کر لیتے ہیں، اور اس لئے وہ اس بلند تر توحید کی سلسلے سے بہت نیچے گر کر سر رشتہ حقیقت کو ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں۔

## خد اکا آخری پیغام

اسلام، متكلّم ازل کا آخری پیغام ہے اس لئے ضرورت تھی کہ وہ اس حتم کی تقریب شوں سے پاک مبراہ، حقائق روحانی کی تعبیر کے لئے یقیناً مادی اور جسمانی استعارات اور مجازات سے چارہ نہیں، تاہم ایک داعیٰ نہ ہب کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی تعلیم کو ان استعمالات کی غلطیوں اور غلط فہمیوں سے حفاظ کر کے، چنانچہ اسلام نے اسی بناء پر ان استعارات اور مجازات کے استعمال میں بڑی احتیاط برقراری ہے، اور خدا کے مردگرم اور عشق و محبت کے تذکروں کے ساتھ، اوب و لحاظ کے قواعد کو فراموش نہیں کر دیا ہے، قرآن مجید اور احادیث روحانی عشق و محبت کے ان دل آویز اور ولولہ انگیز حکایات سے معمور ہیں، باسیں ہم وہ انسان کو پینا اور خدا کو باپ نہیں کہتا کہ عبد و محبود کے تعلقات کے اظہار کے لئے اس کے نزدیک یہ کوئی بلند تر تعبیر نہیں، وہ خدا کو آب (باپ) کے جائے "رب کہہ کر پکارتا ہے، وہ اس کو تمام دنیا کا باپ نہیں، بلکہ تمام دنیا کا رب کرتا ہے۔

"اب اور رب" ان دونوں لفظوں کا باہمی معنوی مقابلہ کرو تو معلوم ہو گا کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا چیخیل، اسلام کے مطمع نظر سے کس درجہ پرست ہے، اب

یعنی باپ کا تعلق اپنے بیٹے سے ایک خاص کیفیت اور مدت سے لیکر ایک محدود عرصہ تک رہتا ہے، اس کے وجود میں اس کو یک گونہ تعلق ضرور ہوتا ہے، مگر اس کے قیام و بقاء، زندگی، ضروریات، زندگی، سامان حیات، نشوونما اور ارتقاء کسی چیز میں اس کی ضرورت نہیں ہوتی، عمد طفیل تک شاید کچھ اور واسطہ ہو، اس کے بعد تو چہ اپنے والدین سے الگ، مستقل اور بے نیاز نہیں بس رکرتا ہے، مگر ذرا غور کرو کیا عبد و معبود اور خالق و خلوق کے درمیان جو ربط و تعلق ہے اس کا انقطاع کسی وقت ممکن ہے، کیا ہندہ اپنے خدا سے ایک دم اور ایک لمحہ کے لئے بھی بے نیاز اور مستغنى ہو سکتا ہے، کیا یہ تعلق باپ اور بیٹے کے تعلق کی طرح محدود اور مخصوص الاوقات ہے۔ ۱

## رب کا مفہوم

ربوبیت (پورش) عبد و معبود اور خالق و خلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے جو آغاز سے انجام تک قائم رہتا ہے، جو ایک لمحہ کے لئے منقطع نہیں ہو سکتا، جس کے بل اور سارے پر دنیا اور دنیا کی خلوقات کا وجود ہے، وہ گوارہ عدم سے لیکر فنا کے محض کی منزل تک ہر قدم پر موجودات کا ہاتھ تھامے رہتا ہے، وہ ذرہ ہو یا ایکھر، قطرہ آب ہو، یا قطرہ خون، مضغہ گوشت ہو یا مشت استخوان، شکم ہادر میں ہو، یا اس سے باہر، چہ ہو یا جوان، او ہیڑ ہو یا بڑھا، کوئی آن، کوئی لمحہ رب کے مرو کرم اور لطف و محبت سے استغنا اور بے نیازی نہیں ہو سکتی۔

علاوه ازیں باپ اور بیٹے کے الفاظ سے مادیت، جسمانیت، ہم جنسی اور بر ابری کا جو تخلیل پیدا ہوتا ہے، اس سے لفظ رب یک قلم پاک ہے، اور اس میں ان ضلالتوں اور گراہیوں کا خطرہ نہیں جن میں نصرانیت اور ہندویت نے ایک عالم کو بتلا کر رکھا ہے۔

## حقیقت ایمان

اب ہم کو ان آئتوں اور حدیثوں کو آپ کے سامنے پیش کرنا ہے، جن سے روشن ہو کر اسلام کا سینہ اس ازی وابدی عشق و محبت کے نور سے کس درجہ معمور ہے اور وہ شکانہ الاست کی سرشاری کی یاد پہنچ ہوئے انسانوں کو کس طرح دلا رہا ہے، اسلام کا سب سے پلا حکم ایمان ہے، ایمان کی سب سی بڑی خاصیت اور علامت "حب اللہ" ہے اور یہ وہ دولت ہے جو ان ایمان کی پہلی جماعت کو عملاً نصیب ہو چکی تھی، زبان اللہ نے شادت دی۔

وَالَّذِينَ أَمْنُوا أَشَدُ حُبَّ الْلَّهِ،  
جو ایمان لائے ہیں وہ سب سے زیادہ خدا سے  
محبت رکھتے ہیں۔ (قرہ)

اس نثرے محبت کے سامنے باپ 'مال' اولاد 'بھائی' بیوی 'جان' مال خاندان سب قربان اور ثمار ہو جانا چاہیے ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ كَانَ أَبَاوْكُمْ وَأَبْنَاءِكُمْ  
اگر تمدارے بپ، تمدارے بیٹے، تمدارے  
وَأَخْوَانَكُمْ وَأَزْوَاجَكُمْ وَعَشِيرَتَكُمْ  
بھائی، تمداری بیویاں، اور تمدار اکنہہ اور وہ  
وَأَمْوَالَنِ فَتَرَ فَتَمُواهَا وَتَجَارَةً  
دولت جو تم نے کمائی ہے اور وہ سوداگری جس  
تَحْشِنُونَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنَهَا  
کے مندا پڑھانے کا تم کو اندر یہشہ ہے، خدا الہ اس  
تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ  
کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تم  
وَرَسُولَهُ وَجَهَادٍ فِي سَبِيلِهِ  
کو زیادہ محبوب نہ رہا ہے تو اس وقت تک  
قَرِبَصُوفَحتِي يَلْتَمِي اللَّهُ بِأَمْرِهِ ط  
انتظار کرو کہ خدا انہا نیفلے آئے۔

یمان کے بعد بھی اگر نثرے محبت کی سرشاری نہیں ملی تو وہ بھی جادہ حق سے دوری ہے چنانچہ جو لوگ کہ راہ حق سے بھٹکا چاہتے تھے ان کو پکار کر سناؤ یا مگیا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَ مِنْكُمْ  
 سَلَانُو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین اسلام  
 سے پھر جایکا تو خدا کو اس کی کچھ پرواٹیں وہ  
 ایسے لوگوں کو لا کر اکر دیا جن کو وہ پیدا کریا  
 اور وہ اس کو پیدا کریں گے۔

(عامہ)

عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَاتِيَ اللَّهُ بِقَوْمٍ  
 يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ

## آثار و علام

حضرت مسیح نے کہا ”درخت اپنے پھل سے پھپانا جاتا ہے“ ہر معنوی اور روحانی حقیقت ظاہری آثار اور جسمانی علامت سے پھپانی جاتی ہے، تم کو زید کی محبت کا دعویٰ ہے، مگر نہ تمہارے دل میں اس کے دیدار کی ترپ ہے، نہ تمہارے سینہ میں صدمہ، فراق کی جلن، اور نہ آنکھوں میں بھرو جدائی کے آنسو ہیں، تو کون تمہارے دعوے کی تقدیق کرے گا، اسی طرح خدا کی محبت اور پیار کے دعویدار تو بھرے ہو سکتے ہیں مگر اس غیر محسوس کیفیت کی ماڈی نشانیاں اور ظاہری علامتیں اس کے احکام کی ہیروی اور اس کے رسول کی اطاعت ہے، خدا کے رسول کو اس اعلان کا حکم ہے۔

إِنَّ كُلَّتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِيٌّ اگر تم کو خدا سے محبت ہے تو میری ہیروی کرو  
 كَخَدَاهُنِيٌّ تم کو پیدا کریج۔

يُحِبِّنِكُمُ اللَّهُ

(آل عمران)

طبقات انسانی میں متعدد ایسے گروہ ہیں جن کو خدا کی محبت اور پیار کی دولت ملی ہے۔

خدا نکلی کرنے والوں کو پیدا کرتا ہے۔  
 خدا تو پر کرنے والوں کو پیدا کرتا ہے۔  
 خدا تو کل کرنے والوں کو پیدا کرتا ہے  
 خدا منصف مزاجوں کو پیدا کرتا ہے۔  
 خدا پر ہیز گاروں کو پیدا کرتا ہے۔  
 خدا ان کو پیدا کرتا ہے جو اس کے راستہ میں  
 لڑتے ہیں۔

انَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (ماہدہ)  
 انَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ (قرہ)  
 انَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (آل عمران)  
 انَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (ماہدہ)  
 انَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ (قرہ)  
 انَّ اللَّهَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ (صف)  
 وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (آل عمران)  
 وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ (قرہ)

## دائمی مسرت

دنیا کے عیش و مسرت 'باغ و بہار' شادی و خوشی میں اگر کوئی خیال کا ناساچھتا ہے، تو ہمیشہ انسان کے عیش و سرور کو مکدر اور منفصہ، ہا کر کے فکری کی بہشت کو، فکرو غم کی جنم بنا دیتا ہے تو وہ مااضی لور حال کی تباہیوں کی یاد اور مستقبل کی بے اطمینانی ہے، پہلے کا ہم حزن و غم ہے، تو دوسرے کا نام خوف و بہشت ہے، غرض غم اور خوف یہی دو کانٹے ہیں، جو انسانیت کے پہلو میں ہمیشہ چیختے رہے ہیں لیکن جو محبوب حقیقی کے طلب گار اور اس کے وال و شیدا ہیں ان کو بھارت ہے کہ ان کا چنستان عیش اس خارزار سے پاک ہو گا۔

آلاً إِنَّ أَوْلَيَاءَ اللَّهِ لَا يَخَوْفُنَّ ہاں! خدا کے دوستوں کون کوئی خوف ہے اور  
 عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس) نہ وہ غمگین ہوں گے۔

محبت کا جو جذبہ بڑے کو چھوٹے کے ساتھ احسان، نیکی، درگذر اور عفو و غش پر آمادہ کرتا ہے اس کا نام "رحم" اور "رحمت" ہے، اسلام کا خدا اتنا مر رحم ہے، اسکی رحمت کے فیض سے عرصہ کائنات کا ذرہ ذرہ سیراب ہے، اسکا نام رحمان و رحیم ہے، جو کچھ یہاں ہے سب اسکی رحمت کا ظہور ہے، وہ بہ ہو تو کچھ نہ ہو، اسی لئے اس کی رحمت سے نا امیدی جرم اور مایوسی گناہ ہے، مجرم سے مجرم اور گنگار سے گنگار کو وہ نواز نے کیلئے ہم وقت آمادہ و تیار ہے، گنگاروں اور مجرموں کو وہ "میرے ہندے" کہہ کر تسلی کا یہ پیام بھیجا ہے۔

فُلُّ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَقُوا عَلَىٰ  
دَعَ جَنَوْلَ نَّيْ اپْنِي جَانُولَ پَرْ ظَلَمَ كَيَا ہے کَ  
أَنْفُسِهِمُ لَا تَقْطُطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ  
وَهَذِهِ اللَّهُ كَيِ رَحْمَتُ سَمَاءِ مَيُوسَ شَهْ دُولَ اللَّهُ يَقِيَّنَا  
إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا  
تمام گناہوں کو غش سکتا ہے کہ وہی غش  
إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (زمر) کرنے والا اور حرم کھانے والا ہے۔

فرشتے حضرت ابراهیم کو بھارت نتائے ہیں تو کہتے ہیں

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْقَافِنِطِينَ نامیدوں میں سے نہ ہو،

خلیل اللہ اس رمز سے نا آشنا تھے کہ مرتبہ خلت محبت سے مافق ہے، جواب دیا۔

وَمَنْ يَقْنُطُ عَنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا اپنے پروردگار کی رحمت سے گراہ لوگوں کے سو والوں کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ (جرج) القومُ الضالُونَ

خدا کے بدوں کی جانب سے کوئی پامدی عائد نہیں، مگر اس نے خود اپنی رحمت کے انتقام سے اپنے اوپر کچھ چیزیں فرض کری ہیں، مجملہ ان کے ایک رحمت ہے،

خداحمر مولوں کو سزا اور سکتا ہے وہ گنگاروں پر عذاب بیخ سکتا ہے وہ سیدہ کاروں کو ان کی گستاخیوں کا مزہ چکھا سکتا ہے وہ غالب ہے وہ قابو ہے وہ جبار ہے وہ شتم ہے لیکن ان سب کے ساتھ وہ غفار و غفور ہے رحمان و رحیم ہے رُوف و غفو ہے اور سب سے بڑھ کریے ہے کہ اس نے اپنے لوپر رحمت کی پاہندی خود بخود عائد کر لی ہے اور اپنے اور اس کو فرض گروان لیا ہے۔

### کتبَ عَلَى نَفْسِي الرَّحْمَةَ اللَّهُ نَعَمْ از خواستے اور ہربالی کرنے کو لازم (انعام)

قادص خاص کو حکم ہوتا ہے کہ ہمارے گنگار بندوں کو ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ اور تسلی کا یہ پیام دو کہ اس کا باب رحمت ہر وقت کھلا ہے۔

وَإِذَا جَاءَكُمْ أَعْلَمَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ اَلْتَهِبُوا! جَبْ تَمْرِيْسَ پاں وہ آئیں جو میری آئینوں پر یقین رکھتے ہیں تو ان کو کہ یا لیتنا فَقْلُ سَلَامٍ عَلَيْكُمْ کتبَ کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے پروردگار نے رُبُّکُمْ عَلَى نَفْسِي الرَّحْمَةَ اللَّهُ نَعَمْ اپنے لوپر از خود اپنے بندوں پر صربان ہوا منْ عَمِيلَ مِنْكُمْ سُوْعَادِيْجَهَالَهُ لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے برآ نداںی ہائی کر بیٹھے، مگر اس کے بعد توبہ کرے شَمَّتَ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّهُ اور نیک نے تو پیک وہ ٹھیٹے والا اور رحم غَفُورٌ وَرَحِيمٌ (انعام) کرنے والا ہے۔

قرآن کی تعلیم کے مطابق اس وسیع عرصہ کائنات کا کوئی ذرہ اس سایہ رحمت سے محروم نہیں۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ اور میری رحمت ہر چیز کو گھرے ہے۔ (اعراف)

## عفو عام کی بشارت

خاری و ترمذی وغیرہ صحیح حدیثوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس عالم کو پیدا کیا تو اس نے اپنے دست خاص سے اپنے اوپر رحمت کی پاندی عائد کر لی، جامِ ترمذی میں ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ ”اگر مومن کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کے پاس کتنا عقاب ہے تو وہ جنت کی طمع نہ کرتا اور اگر کافر کو یہ معلوم ہوتا کہ خدا کی رحمت کس قدر بے حساب ہے تو وہ جنت سے مایوس نہ ہوتا“ یہ اسلام کے تخلیل کی صحیح تعبیر ہے۔ بارگاہِ احادیث کا آخری قاصد اپنے دربار کی جانب سے گنگاروں کو بھارت ناتا ہے کہ ”اے آدم کے بیٹو! جب تک تم مجھے پکارتے رہو گے اور مجھ سے آس لگائے رہو گے میں تمہیں خشتار ہونگا، خواہ تم میں کتنے ہی عیب ہوں، مجھے پروادا نہیں، اے آدم کے بیٹو! اگر تمہارے گناہ آسمان کے بادلوں تک پہنچ جائیں، اور پھر تم مجھ سے معاف چاہو تو میں معاف کر دوں خواہ تم میں کچھ ہی عیب ہوں مجھے پروادا نہیں، اے آدم کے بیٹو! اگر پوری سطح زمین بھی تمہارے گناہوں سے بھری ہو، پھر تم ہمارے پاس آؤ، اور میرا کسی کو شریک نہ بنتے ہو، تو میں بھی پوری زمین بھر مغفرت لیکر تمہارے پاس آؤں“ کیا انسانوں کے کافنوں نے اس رحمت، اس محبت اس عفو عام کی بھارت کی اور قاصد کی زبان سے بھی سنی ہے؟۔

حضرت ابوالیوب صحابی کی وفات کا وقت جب قریب آیا، تو انہوں نے لوگوں سے کہا کہ آنحضرت صلیم نے فرمایا کہ ”اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدا اور مخلوق پیدا کرتا جو گناہ کرتی کہ وہ اس کو بخشتا“ یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے رحم و کرم کے اظہار کے لئے گنگاروں ہی کی تلاش ہے کہ نکوکاروں کو توبہ ڈھونڈتے ہیں، مگر گنگاروں کو صرف وہی ڈھونڈتا ہے۔

دنیا میں انسانوں کے درمیان جو رحم و کرم اور مرد و محبت کے عناصر پائے

جاتے ہیں جن کی نماء پر دوستوں، عزیزوں، قرابت داروں، اولادوں میں میل ملاپ اور رسم و محبت ہے، اور جس کی بنا پر دنیا میں عشق و محبت کے یہ مناظر نظر آتے ہیں، تم کو معلوم ہے کہ یہ اس شاہد حقیقی کے سرمایہ محبت کا کتنا حصہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے، ان میں سے ایک حصہ اپنی خلوقات کو عطا کیا، جس کے اثر سے وہ ایک دوسرے پر باہم رحم کیا کرتے ہیں، باقی ننانوے حصے خدا کے پاس ہیں (۱)، اس لطف و کرم اور صرد محبت کی بھار تیں کس مذہب نے انسانوں کو سنائی ہیں، اور کس نے گنجائار انسانوں کے مضطرب قلوب کو اس طرح تسلی دی ہے؟ صحیح خواری میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک شخص شراب خواری کے جرم میں بار بار گرفتار ہو کر آنحضرت صلم کے خدمت میں پیش ہوا، صحابہ نے غنگ آکر کہا، "خداوند! تو اپنی لعنت اس پر نازل کر کے یہ کس قدر بار بار لایا جاتا ہے،" رحمتہ للعالیین ﷺ کو صحابہ کی یہ بات ناپسند آئی، فرمایا، "اس پر لعنت نہ کرو کہ اس کو خدا اور رسول ﷺ سے محبت ہے،" تم نے دیکھا کہ اسلام نے گنجائروں کے لئے بھی خدا کی محبت کا دروازہ کھول رکھا ہے۔

### رحمتہ للعالیین ﷺ

امن ماجہ میں ہے کہ مدینہ میں ایک غریب مسلمان نے وفات پائی، اس کا غم کس نے کیا ہو گا؟ ہاں اس دل نے جو دنیا کا غم خواریں کر آیا تھا، اس کے فراق ظاہری سے چہرہ مبارک پر اندوہ و ملال کے آثار تھے، صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلم؟ آپ کو اس مرنے والے کی موت کا غم ہے،" فرمایا، ہاں کہ اس کو خدا اور رسول سے محبت تھی،" اس غریب میں اس محبت کا یہ اثر تھا کہ وہ بھیشہ زور زور سے قرآن پڑھا کرتا تھا،

غربیوں کے دل خدا کی محبت کے خواستے ہیں، مسیح میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے ایک صاحب کو کسی جماعت کا افسر بنا کر پھیلا تھا، وہ جب نماز پڑھاتے تھے تو ہر نماز میں ہر سورۃ کے آخر میں قل هو اللہ ضرور پڑھتے تھے؛ جب سفر سے یہ جماعت لوٹ کر آئی تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس نے یہ واقعہ عرض کیا، فرمایا "ان سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟" لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ میں اس لئے کرتا ہوں کہ اس سورۃ میں رحم والے خدا کی صفت میان ہے، تو مجھ کو اس کے پڑھنے سے محبت ہے۔" فرمایا "ان کو بھارت دو کہ وہ رحم والا خدا بھی ان سے محبت کرتا ہے۔" یہ بھارت اسلام کے سوا کسی اور نہ بھی سنائی ہے؟

## المسر مع من احب

صحیح خاری اور مسلم میں متعدد طریقوں سے حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی نے "خدمت والا حاضر ہو کر دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ" تیامت کب آئے گی؟" فرمایا تم نے اس کے لئے کیا سامان کر رکھا ہے؟" نادم ہو کر شکستہ دلی سے عرض کیا "کہ یا رسول اللہ! میرے پاس نہ تو نمازوں کا، نہ روزوں کا، اور نہ صدقات و خیرات کا بیڑا ذخیرہ ہے، جو کچھ سرمایہ ہے وہ خدا اور رسول کی محبت کا ہے اور میں! فرمایا" تو انہاں جس سے محبت کرے گا، وہ اسی کے ساتھ رہے گا" محلہ نے اس بھارت کو سن کر اس دن بڑی خوشی منائی کہ صرف خدا اور رسول کی محبت تمام نیکیوں کا بدل اور معاوضہ ہے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "جب خدا کسی بندہ کو چاہتا ہے تو فرشتہ خاص جبریلؐ سے اس کا تذکرہ کرتا ہے کہ میں لالا بندہ کو پیار کر رہا ہوں، تو جبریلؐ بھی اس کو پیار کرتے ہیں اور آسمان میں پکار دیتے ہیں کہ خدا اس بندہ کو پیار کرتا ہے، تم بھی پیار کرو، تو آسمان والے بھی اس کو پیار کرتے ہیں اور پھر زمین میں اس کو ہر

و لعزمی اور حکم قبول حاصل ہوتا ہے، دیکھو کہ اسلام کا خدا پنے ہندوں سے کس اعلان اور اشتمار کے ساتھ محبت کرتا ہے۔

## عطائے عمومی

ترمذی میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلعم سے راوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”میرا ہندہ اپنی طاعتوں سے میری قربت کو اس قدر ڈھونڈتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں“ یہاں تک کہ میں اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، وہ کافی نہ جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، وہ ہاتھ من جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے“ یہ دولت یہ نعمت یہ سعادت اسلام کے دروازے کے سوا کمیں اور سے بھی بنتی ہے؟

امام بیاز نے مند میں حضرت ابو سعید سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ”میں ان لوگوں کو پہچانتا ہوں جونہ نبی ہیں اور شہید ہیں، لیکن قیامت میں ان کے مرتبہ کی بلندی پر انبیاء اور شہداء بھی رٹک کریں گے یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا سے محبت ہے اور جن کو خدا اپیار کرتا ہے، وہ اچھی باتیں بتاتے ہیں اور بدی باتوں سے روکتے ہیں“ اُخْرَ یہ قابل رٹک مرتبہ اسلام کے سوا اور کون عطا کرتا ہے؟

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا لوگو! ” خدا سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں عطا کرتا ہے، اور خدا کی محبت کے سبب مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کے سبب میری الٰل بیت سے محبت کرو“ یہ عشق و محبت کی دعوت محبوب اذلی کے سوا اور کون دے سکتا ہے؟

## محبت اللہ کی طلب

جو کچھ اسلام کی تعلیم تھی وہ پیغمبر اسلام کی عملی زندگی تھی۔

عام مسلمانوں میں پیغمبر اسلام کا لقب "حبیب خدا" ہے دیکھو کہ حبیب و محبوب میں "خلت اور محبت کے کیا کیا نازو نیاز ہیں" آپ خشوع و خضوع کی دعاوں میں اور خلوت کی ملاقاتوں میں کیا ذہن و ذہن تھے اور کیا مانگتے تھے کیا چاہتے اور کیا سوال کرتے تھے! امام احمد اور براز نے مسندوں میں "ترمذی نے جامع میں حاکم نے متدرک میں" اور طبرانی نے مجسم میں متعدد صحابیوں سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلم اپنی دعاوں میں محبت اللہ کی دولت مانگا کرتے تھے انسان کو اس دنیا میں سب سے زیادہ محبوب اپنی اور اپنے اہل و عیال کی جان ہے لیکن محبوب خدا کی نگاہ میں یہ چیزیں یقین تھیں "دعا فرماتے تھے خداوند!

میں تیری محبت سے مانگتا ہوں اور جو تمھے  
محبت کرتا ہے اس کی محبت اور اس کام کی  
محبت جو تمہری محبت سے قریب کروے۔

ابنُهُ اتو اپنی محبت جان سے اور اہلِ عیال سے اور  
ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ میری نظر میں  
محبوب ہا۔

اسئل حبک و حب من يحبك  
و حب عمل يقرب إلى حبك  
(احمد ترمذی حاکم)

اللَّهُمَّ اجْعِلْ حَبَكَ احْبَبَ إِلَيْيَ  
مِنْ نَفْسِي وَاهْلِي وَمِنَ الْمَاءِ  
الْبَارِدِ  
(ترمذی حاکم)

عرب میں ٹھنڈا پانی دنیا کی تمام دولتوں اور نعمتوں سے زیادہ گراں اور قیمتی ہے، لیکن حضور ﷺ کی پیاس اس مادی پانی کی خنکی سے نہیں سیر ہوتی تھی وہ صرف محبت اللہ ہی کا زلال خالص تھا جو اس تھنکی کو تکسین دے سکتا تھا، عام انسان روٹی سے جیتے ہیں، مگر ایک عاشق اللہ (مسیح) کا قول ہے کہ "انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا،

پھر وہ کو نی روٹی ہے جس کو کھا کر انسان پھر بھی بھوکا نہیں ہوتا، حضور دعا فرماتے ہیں۔

اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي حَبْكَ وَحْبَ مِنْ خَدَوْنَا! تَوْجِهْنِي إِلَيْيَ مُحْبَتِكَ أَوْ إِلَيْسِكَ مُحْبَتِكَ  
تیری محبت کی راہ میں نافع ہے مجھے روزی کر  
ینفعنی فی حَبْكَ (ترمذی)

عام ایمان<sup>ؑ</sup> خدا اور رسول پر یقین کرتا ہے، مگر جانتے ہو کہ اس راہ کی آخری منزل کیا  
ہے؟ <sup>بھی</sup> میں میں ہے

من کان اللہ ورسوله احب <sup>یہ کہ خدا اور رسول کی محبت کے آگے تمام</sup>  
ماساکی محبتیں بیچ ہو جائیں۔ <sup>الیہ متساوہ</sup>

بعض مذاہب کو اپنی اس تعلیم پر ناز ہے کہ وہ انسانوں کو یہ سکھاتے ہیں کہ وہ  
اپنے خدا کو مال، باپ <sup>بھی</sup> اور اس سے اسی طرح محبت کریں جس طرح اپنے والدین  
سے کرتے ہیں، اور چونکہ اسلام نے اس طریقہ تعبیر کو اس بنا پر کہ وہ شرک کارستہ  
ہے منوع قرار دیا ہے، اس لئے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام محبت الہی کے مقدس جذبات  
سے محروم ہیں، لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ یہ نہیں بلکہ اسلام کی باندی نظر اور  
محبت کا علوٰ معيار ان مذاہب کے پیش کردہ نظر و معیار کو پست تر اور فروتن سمجھتا ہے،  
قرآن مجید کی یہ آیت پاک بھی اس دعوے کے ثبوت میں پیش کی جا چکی ہے۔

وَإِذْ كُرِّبُوا اللَّهُ كَذَّبُكُرْ كُمْ أَبَاءَ      تم خدا کو اس طرح یاد کرو جس طرح اپنے  
بَأْپَ كُو ياد کرتے ہو بله اس سے بہت زیادہ  
كُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا

## خدا کی رحمت

احادیث سے ہمارا یہ دعویٰ اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے، لڑائی کا میدان ہے، دشمنوں میں بھاگ دوڑ پچی ہے جس کو جہاں امن کا گوشہ نظر آتا ہے، اپنی جان چا رہا ہے، بھائی بھائی سے ماں چہ سے، چھ ماں سے الگ ہے، اسی حال میں ایک عورت آتی ہے، اس میدان حشر میں اس کا چہ گم ہو گیا ہے، محبت کی دیواگی کا یہ عالم ہے کہ جو چہ بھی اس کو سامنے نظر آ جاتا ہے، چہ کے جوش محبت میں اس کو چھاتی سے لگایتی ہے، اور اس کو دودھ پلا دیتی ہے رحمتہ للعالیین ﷺ کی نظر پڑتی ہے، صلحہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں "کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورت خود اپنے چہ کو اپنے ہاتھ سے دکھنی آگ میں ڈال دے؟" لوگوں نے عرض کی "ہر گز نہیں" فرمایا "تو جتنی محبت ماں کو اپنے چہ سے ہے، خدا کو اپنے بندوں سے اس سے بہت زیادہ محبت ہے" (صحیح خاری باب رحمۃ اللولد)

ایک دفعہ ایک غزوہ سے آپ تشریف لارہے ہیں، ایک عورت اپنے چہ کو گود میں لیکر سامنے سے آتی ہے، اور عرض کرتی ہے کہ "یا رسول اللہ ﷺ! ایک ماں کو اپنی اولاد سے جتنی محبت ہوتی ہے، ملیا خدا کو اپنے بندوں سے اس سے زیادہ نہیں ہے؟" فرمایا "ہاں"! بے شک اس سے زیادہ ہے "بُوی" تو کوئی ماں تو اپنی اولاد کو خود آگ میں ڈالنا گوارہ نہ کر گی "یہ سن کر فرط اثر سے آپ پر گریہ طاری ہو گیا، پھر سراخا کر فرمایا "خدا صرف اس بندہ کو عذاب دیتا ہے، جو سرکشی سے ایک کو دوکھتا ہے" (سنن نسائی باب مايرجي من الرحمۃ)

آپ ایک مجلس میں تشریف فرمائیں، ایک صحافی چادر میں ایک پرندہ کو مع اس کے پھوں کے باندھ کر لاتے ہیں، اور واقعہ عرض کرتے ہیں، کہ "یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک جھڑی سے ان پھوں کو اٹھا کر کپڑے میں پیٹ لیا میں نے یہ دیکھا تو

میرے سر پر منڈلانے لگی، میں نے ذرا سا کپڑا کھول دیا تو وہ فوراً اگر میرے ہاتھ پر چوں پر گر پڑی ”ارشاد ہوا“ کیا جوں کے ساتھ مال کی اس محبت پر تم کو تجھ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو حق کے ساتھ مبوعث کیا، جو محبت اس مال کو اپنے جوں کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے ہندوں کے ساتھ اس سے بدرجمازیادہ ہے“ (مخلوٰۃ حوالہ ابو داؤد  
باب رحمۃ اللہ)

## حسن خاتمه

ربانی خانہ کا عشق کا آخری ہو شمند سر شار، ریاض محبت کی بیمار جاوداں کا آخری نغمہ خواں عنزیلیب، نظارہ جمال حقیقت کا پہلا مشتاق، مستور ازال کے چڑھہ زیر نقاب کا پہلا بند کشا، زندگی کے آخری گھنٹوں میں ہے، مرض کی شدت ہے، بدن خار سے جل رہا ہے، اٹھ کر چل نہیں سکتا، لیکن یک یہک وہ اپنے میں ایک اعلان خاص کی طاقت پاتا ہے، مسجد نبوی میں جال ثار حاضر ہوتے ہیں، سب کی نظریں حضور ﷺ کی طرف لگی ہیں، نبوت کے آخری پیغام سننے کی آرزو ہے، دعطالب مبارک واہوتے ہیں، تو یہ آواز آتی ہے ”لوگو! میں خدا کے سامنے اس بات کی براءت کرتا ہوں کہ انسانوں میں میرا کوئی دوست ہے، میرا پیار اصراف ایک ہی ہے، وہی جس نے ابراہیم کو اپنا پیار اہنیا، یہ توقعات سے پہلے کا اعلان تھا، عین حالت نزع میں زبان مبارک پر یہ کلمہ مبارک تھا ”خداوند! بہترین رفیق (صحیح خاری وفات)“

یہ یقین ہے کہ اسلام رحمت اللہ کے ساتھ غصب اللہ کا بھی معتقد ہے مگر جانتے ہو کہ اسلام کے عقیدہ میں اس کی رحمت و غصب کا باہمی توازن کیا ہے، خدا فرماتا ہے۔

میرے غصب سے میری رحمت آگے بڑھ گئی

رحمتی سبقت غصی (شاری)

## صلائے عام

اے رب ای عشق و محبت کے طلبگارو! اگر واقعی تمہارے دل فانی محبت سے  
ہٹ کر کسی باقی کی محبت کے خواہشند ہیں، اگر درحقیقت تمہیں ازیٰ وابدی محبوب کی  
ملاش ہے، اگر دراصل تمہارا جسم نہیں بلکہ تمہاری روح کسی کی محبت کی سرشاری  
کیلئے بیتاب ہے، تو آؤ کہ یہ دولت صرف اسلام کے آستانہ پر ملتی ہے، اور اسی کے خزانہ  
سے ملتی ہے!

سید حسن عسکری  
کیم نومبر ۱۹۶۹ء

سنت



## مُسْتَدِّع

خوشی کی بات ہے کہ کچھ لوگوں میں آج گل نہ ہی تحقیقات کا شوق پیدا ہو رہا ہے گوہہ ہمارے نقطہ نظر سے آج کتنے ہی دور ہوں، مگر بہر حال ان کا یہ شوق اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ انہوں نے اس قسم کی بحثوں میں پڑنا اپنے لئے تضییع وقت نہیں سمجھا، گواں کا افسوس ہے کہ کامل تحقیق سے پہلے اپنے غور و فکر کے نتائج کو عام مسلمانوں کے سامنے پیش کر دینا ممکن ہے کہ بہتھوں کی محو کر کا باعث ہو، حق کی اشاعت ضروری ہے، لیکن شائع کرنے والے پر اس کی بڑی ذمہ داری آتی ہے، کہ وہ پہلے حق کا حق ہونا، اچھی طرح سمجھ لے۔

اردو کے ایک اولی (اکھر سالہ میں ماہ مہا ایسے مظاہن نکل رہے ہیں، جن میں اس قسم کی تحقیقات کے نمونے اکثر دیکھنے میں آتے ہیں، خصوصاً ایک خاص صاحب (۲) کے مضمون اور بھی زیادہ دلچسپ حقائق کا مجموعہ ہوا کرتے ہیں، جن کا سلسلہ خدا خدا کر کے اب تمام ہوا ہے، میں نے اس سلسلہ مضمون کے بعض ٹکڑوں کو

(۱) رسالہ نگار لکھنؤ  
(۲) نیاز فتح پوری

اس وقت بھی پڑھا تھا، جب وہ پہلے پبل معارف میں چھپنے کی خاطر بھج گئے تھے اور اب بھی دیکھا، پھر موصوف کے خیالات سے اکثر خطوط و مکاتیب کے ذریعے بھی واقفیت ہوتی رہی، مگر ان تمام معلومات کے بعد بھی موصوف کے نظریات میں کوئی خاص اصول مذکور نہیں معلوم ہوتا، میں نے ایک دفعہ ان کو یا ان کے ایک اور ہم خیال سب صحیح صاحب کو لکھا تھا۔

گاہ بردل زندوگاہ زندگی ایمان  
یا رِ زلف تو ندا نم کہ چہ در سردارو

یہی شعر اب بھی پڑھتا ہوں ہمارے دوست نے اسلامی ادکام کی ایک طویل فہرست دی ہے، جو قرآن پاک میں مذکور نہیں، اور ان کا مأخذ صرف حدیث ہے، مجھے تو ان میں سے اکثر ادکام قرآن پاک میں نظر آتے ہیں۔

## اصول فہم قرآن

میں نے ایک سے زائد بار لکھا ہے کہ اس قسم کے مباحث میں جزوی  
باتوں کی تحقیق میں پڑنا میکارہے، ضرورت یہ کہ ان کے اصول کلیہ پر عہد کی  
جائے جن کے اندر یہ تمام جزئیات داخل ہیں، مثلاً ایک مسئلہ یہ ہے کہ کسی  
عبارت سے کسی مفہوم و معنی کے مستنبط کرنے کے کیا اصول ہیں؟ ہمارے  
یہاں اصول فقہ کا بڑا حصہ انسی مباحث کی تفصیل میں ہے، اور اس میں وہ اصول  
تائیں گے ہیں، جن کی بنا پر کسی عبارت سے کسی مفہوم و معنی کا استنباط کر سکتے ہیں

مثلاً حدیث یہ ہے کہ اگر قرآن میں کوئی ایسا لفظ یا محاورہ ہے، جس کے متعدد معنی ہیں، یا جس کے حقیقی معنی یا مجازی معنی مراد ہونے میں شک ہو تو تعین کیوں کہر ہو گی، یا یہ کہ اس کے معنی تو معلوم ہوں، لیکن اس کے شمول میں شک ہو کہ کتنے افراد کو یہ شامل ہے، یا یہ حدیث ہو کہ یہ حکم مطلق ہے، یا اس کے اندر کوئی استثناء یا تخصیص بھی ہے، یہ اور اسی قسم کی دوسری باتوں کے معلوم کرنے کے کیا قواعد ہیں؟

پھر یہ کہ ایک عبارت سے مطلب لکانے کی متعدد صورتیں ہیں، ایک تو صاف صاف لفظوں سے مطلب لکتا ہے، ایک اس کے عنوان بیان سے ظاہر ہوتا ہے، اس کے اشارات و کنایات سے کچھ سمجھا جاتا ہے، اس لئے اگر کوئی بات قرآن پاک کے لفظوں میں نہ کوئی نہیں، مگر اس کے عنوان بیان لور اشارات و کنایات سے مفہوم ہوتی ہے، تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ قرآن میں نہیں۔

کیا جس طرح آج آپ کو قرآن پاک کی آئتوں کے نزول کے ماحول میں سینکڑوں برس کی دوری کے باوجود اس کے متعلق بیسیوں ہفتہ آفرینیوں کا حق حاصل ہے، یہ حق خود اس کو حاصل نہ تھا، جس پر یہ قرآن اترا، اور جس کو اس کے تنبیئین اور تشریح کا حکم تھا؟

## تفاوٽ ذہن

فرض کیجئے کہ آنحضرت ﷺ پر قرآن میں یہ حکم نازل ہوتا ہے کہ "صح سے شام تک روزہ رکھو" اب ایک شخص آکر پوچھتا ہے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میں نے بھولے سے کھالیا، کیا میرا روزہ صحیح ہوا؟ آپ نے فرمایا ہاں، "بھول چوک معاف ہے، روزہ صحیح ہوا" اب سوال یہ ہے کہ آپ نے جو مسئلہ بتایا، اصولاً یہ قرآن کے اندر تو نہ کوئی ہے، مگر خاص روزہ کے حکم کے ساتھ نہ کوئی نہیں، تو کیا کما جائے گا کہ یہ

حکم قرآن کے اندر نہیں اور یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔

لیکن میں دوسری بات کہتا ہوں نہ دنیا میں تمام انسان ایک ہی قابلیت و ذہانت اور فہم کے نہیں ہوتے دیکھئے کہ آج آپ کو جو حکمت آفرینیاں سو جھتی ہیں وہ نہ پہلے کسی کو سو جھیں اور نہ خود اس زمانہ کے بہت سے آدمیوں کو سو جھتی ہیں، قرآن پاک ہر آدمی پڑھتا ہے مگر ایک صاحب علم کو اس کے لفظ لفظ سے جو حلقہ و معارف معلوم ہوتے ہیں وہ ایک عام آدمی کو نہیں معلوم ہوتے۔

### احادیث سے چارہ نہ تھا

جب یہ مسلم ہے کہ افراد انسانی کی عقلیں متفاوت ہیں، اور ان کے فہم و ذہانت کے معیار مختلف ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ اگر آنحضرت پر قرآن میں ایک حکم نازل ہونے کے بعد اگر وہی یا اس سے بظاہر کسی قدر مختلف کوئی بات پیش آئے، یا کسی صحابی کو یہ شک پیدا ہو کہ یہ واقعہ اس کلی حکم کے تحت میں ہے یا نہیں، تو اب وہ اپنی مشکل کے حل کے لئے کیا صورت اختیار کرتے؟ ظاہر ہے کہ یہی ممکن اور موزوں صورت ہو سکتی تھی کہ وہ صاحب وحی علیہ السلام سے آگر دریافت کرتے، پھر سوال یہ ہے کہ جب وہ آگر پوچھتے تو آنحضرت صلم کیا کرتے، خاموش رہتے یا قرآن پاک کی اس آیت کے بقیہ الفاظ کو جن کے سمجھتے یا جس کو اپنی صورت واقعہ پر منطبق کرنے میں، ان کو شبہ پیدا ہو رہا ہے، دھرا دیتے یا یہ کرتے کہ جو حکمتی ان کے سامنے تھی، اس کو سلب حجاج دیتے، اور بات صاف کر دیتے، ظاہر ہے کہ یہی آخر صورت قابل اختیار تھی، اب ایسی حالت میں کہا، ان اصحابی کے لئے یہ ناجائز قرار دیا جاتا، کہ اپنی صورت واقعہ کو دربار رسالت میں اپنے سوال کو اور آپ کے جواب کو، کسی دوسرے کے سامنے بیان نہ کرتے، یا اگر کسی دوسرے کو وہی صورت حال پیش آتی، تو اس کو وہی حل نہیں بتاتے، کوئی معمولی سمجھ کا آدمی بھی اس کو ناجائز اور ناروا نہیں کہہ سکتا، یہی صورت حال ہے،

جس کا نام اصطلاح میں "حدیث" ہے۔  
اس کو کسی مثال میں دیکھنے تو واضح ہو جائے گا قرآن پاک میں ہے کہ

لَا تُحِرِّمُوا طَبِيعَتِ مَا لَحِلَّ  
خَدَانَةَ تَمَادِي لَنَّكُمْ بَلَّاقُ  
بَيْنَ أَنْ كُوَپَنَّهُ وَأَوْپَرَ حَرَامَنَهُ كَرُونَهُ  
اللَّهُ لِكُمْ سُورَةٌ مَكْرُونَهُ ۵:۸۷

ایک صحابی آکر پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ (صلعم) میں چاہتا ہوں کہ شادی نہ کروں، بلکہ شادی کا جذبہ جن اسباب سے انسان میں پیدا ہوتا ہے، انی کو کافی ڈالوں، آپ نے فرمایا یہ جائز نہیں ہے، اس کے بعد قرآن پاک کی آیت مذکور پڑھی، جس تک ان صحابی کی نظر نہیں پہنچی تھی، تو کیا ان اصحابی کے پوچھنے لئے آپ کے جواب دینے کے واقعہ کو کسی سے میان نہ کیا جائے اور اگر کسی تباہی کے ذہن میں وہی سوال پیدا ہوتا ہو تو کسی صحابی کیلئے جائز نہ تھا کہ اس واقعہ کو اس کے سامنے دھرائے اور اس کے شک کو دور کرے، اگر یہ جائز تھا اور ہے تو اسی کا نام روایت حدیث ہے،

### روایت سے چارہ نہیں،

روایت سے دنیا میں کسی فن، کسی مذہب، کسی حکومت، کسی انسانی کاروبار کو کبھی بھی چھکارا نہیں ہو سکتا، ظاہر ہے کہ ہر انسان، ہر واقعہ، ہر تجربہ، اور ہر حادثہ کے وقت بذات خود موجود نہیں رہ سکتا، ایسی صورت میں غیر موجود اشخاص تک اس واقعہ تجربہ اور حادیث کو پہنچانے کی روایت کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں ہو سکتی، خواہ وہ زبانی ہو، یا تحریری ہو، یا ان لوگوں تک جو اس زمانہ کے بعد آئیں، پہنچانے کا ذریعہ روایت کے سوا کوئی دوسرام موجود نہیں ہے، دنیا کے تمام فنون، مسائل، مختزلات اور

واقعات وحوادث کی لفظ اور علم اسی طرح دنیا میں عمد بعہد پہنچا اور پھیلا ہے، تو پھر کیا اسلام دنیا سے کوئی انوکھا واقعہ ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و فرمانیں و اقوال کو دوسروں تک یا آئندہ آئے والوں تک پہنچانے کا کوئی دوسرا ذریعہ خلاش کیا جاتا۔

آج کے یہ نئے مفسرین اور یہ جدید "بائیانِ نما اہب" یہ بالفرض اپنی امت کے امام اور مقتدا نہ جائیں، تو ان کی ذاتی تحقیقات سے کہا و شیں، نکتہ آفرینیاں ان کی امت کے ان افراد تک جو ان کے حلقة درس سے دور ہیں، یا آج سے سینکڑوں بعد آئیں گے، پہنچانے کا تحریری یا زبانی روایت کے سوا، اور کیا ذریعہ ہو گا، خصوصاً اگر یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ ابھی کاغذ کی صنعت بھی اس ملک میں نہیں، لکھنے پڑھنے کا رواج بھی کم ہے، اور ڈاک تار بر قی مشین، پر لیں، اور چھاپ کی ایجاد کو ابھی ہزار درس باقی ہیں،

آج دنیا میں بڑی بڑی قوموں کی تاریخیں، بڑے بڑے علماء کے خیالات، پرانے مصنفین کی تصنیفات، ہم تک کس طرح پہنچی ہیں، خود قرآن پاک ہم تک کس طرح پہنچا ہے، اسی تحریری یا تقریری روایت کے ذریعہ سے، فرق اگر ہے تو یہ ہے کہ قرآن پاک ہزاروں اور لاکھوں انسانوں کی روایت ہے، اور احادیث چند انسانوں کی، مگر ایسے انسان جن کا حال ہم کو معلوم ہے اور ان کا سلسلہ سند ہمارے پاس محفوظ ہے، اس نے قرآن و حدیث میں جو فرق ہو سکتا ہے، وہ وثوق اور اعتبار کی زیادتی اور کیا اور قرآن و حدیث کے درمیان اس نسبت کو ہر مسلمان بلکہ ہر اہل حدیث تسلیم کرتا ہے۔

اس نے جس طرح دنیا میں عام روایتوں کے صحیح یا ملطاط ہونے کی تنقید کے

اصول ہیں، وہی حدیث کی بھی تقدیم کے اصول ہیں، ہم سے جب کوئی بات کسی جاتی ہے، تو ہم اوس کو کس طرح جانچتے ہیں؟ اسی طرح نہ کہ ہم دیکھتے ہیں کہ میان کرنے والا کیسا ہے جس سے میان کیا تھا وہ کیسا تھا، جس وقت یہ واقعہ ہوا وہ اس میں موجود تھا یا نہیں، جس شخص سے یہ بات منسوب کی جاتی ہے، اس کے عام حالات سے یہ بات لگتی ہوئی ہے یا نہیں، یہی چیزیں ہیں جن کا نام اصول حدیث ہے۔

## اسلام کی تاریخ بر باد ہو جائے گی

اسلام کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کے ایک ایک واقعہ ایک ایک قول اور ایک ایک حکم کو دنیا میں محفوظ رکھا، اور ان کے لئے متعدد اصول اور فنِ ایجاد کئے، اگر اسلام کے ان نئے محسنوں کے خیالات مان لئے جائیں، تو یہ کارنامہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے لعنت بن جائے گا، اور صحابہ سے لے کر آج تک و تمام اخیار و اکابر جو امت جن کی زندگیوں پر آج نہ صرف اسلام بلکہ دنیا کو ناز ہے، وہ سب کے سب راست بازی اور صداقت کی بارگاہ سے راندہ لکھیں گے، مگر اسلام پر احسان ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے لیکر آج تک خلفاء راشدین، تابعین، آئمہ مجتهدین علمائے خیر تمام کے تمام اپنے استنباطات اور اجتہادات میں قرآن پاک کے بعد احادیث اور اقوال نبوی کی تقلید و اتباع کرتے رہے ہیں، لیکن اگر آج کے اجتہادات مان لئے جائیں تو لازم آئے گا کہ یہ سب کے سب نعوذ بالله مشرک، انسان پرست اور کتاب اللہ کے تارک تھے، اور آج جو نئے مفسر اور نئے فقیہہ بنے ہیں ان کے اقوال و اجتہادات و استنباطات کے سنتے والے موحد، پچے دیندار اور کتاب اللہ کے پچے پیر و ثابت ہوں گے، اور یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ نعوذ بالله آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن سخت ناکام رہا، اور تیرہ سو برس تک اسی طرح ناکام رہا۔ یہاں تک کہ ہندوستان کے ایک قلعہ میں کتاب اللہ کے چند ماہرین اسرار پیدا ہوئے جنہوں نے اصل اسلام کو دنیا میں آشنا کیا اور وہ کام کیا جو نہ خود رسول نے کیا، نہ ابو بھر صدیقؓ نے کیا، نہ عثمان غنیؓ نے کیا، نہ علی مرتفعؓ نے کیا، نہ دوسرے صحابہ اور تاتبعتین نے کیا، اور نہ دوسرے آئمہ مجتہدین سے ہو سکا، اس کے بعد کوئی بتائے کہ قرآن کی عملی تصویر دنیا میں کبھی جلوہ گر تھی، یا نہیں، اگر تھی تو وہ کب، لوڑ اس کی تاریخ کہاں ملے گی، اور اگر نہ تھی تو قرآن سے زیادہ ناکام صحیفہ آسمانی دنیا میں اور کون ہو گا، کیا کسی مسلمان کی غیرتِ ایمانی اس خیال کو جائز رکھتی ہے؟

### احادیث کا کتنا حصہ قابلِ حجت ہو سکتا ہے

بہر حال آئیے غور کریں کہ احادیث میں کیا کیا ہے، اور اس کے کتنے حصے پر حجت کی جاسکتی ہے، احادیث کا بڑا حصہ در حقیقت تاریخی ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے حالات، سوانح اور واقعات کی روایتیں ہیں، ظاہر ہیں کہ یہ کوئی قابلِ حجت چیز نہیں، یہ تاریخ کا اسی طرح حصہ ہے، جس طرح دنیا کی اور تاریخیں ہیں، فرق یہ ہے کہ یہ تاریخ کا ایسا مستند و معبر حصہ ہے، جس سے زیادہ معبر اور مستند حصہ دنیا میں موجود نہیں، مصر، ہندوستان، بابل، نیوی، سیریا، یونان و روم، کس ملک اور کس قوم کی تاریخ ہے، جو اس استناد اس اعتبار، اس سلسلہ کے ساتھ حفظ ہے اور جو تنقید روایت کے اصول پر ایک لمحہ کے لئے بھی ٹھہر سکتی ہے۔

۲۔ دوسرਾ حصہ اخلاق و حکم کا ہے، جس میں عقل و حکمت کی عمدہ عمدہ باتیں مثلاً جمود کی برائی، عدل کی تعریف، علم کی خوبی وغیرہ بیان کی گئی ہیں، جن کی قرآن

کے علاوہ خود فطرت انسانی تصدیق و تائید کرتی ہے، کیا یہ روکے قابل ہیں؟

۳۔ تیسری چیز عقائد ہیں۔

اسلام کے ایک چھوٹے سے فرق کے سوابکہ یوں کہنا چاہیے کہ غالی ظاہر یہ ————— کے سوا کوئی اس کا قائل نہیں کہ عقائد کا ثبوت قرآن کے علاوہ کسی اور طور سے ہو سکتا ہے کیونکہ عقیدہ نام ہے یقین کا، اور یقین کا ذریعہ صرف ایک ہے، اور وہ وحی اور اس وحی کا تواتر ہے اس لئے عقائد کا مبنی صرف قرآن پاک یا احادیث متواترہ ہیں، ظاہر ہے کہ احادیث متواترہ کا مطلق وجود نہیں، یا ایک دو سے زیادہ نہیں، ایسی حالت میں عام احادیث عقائد کا مبنی نہیں قرار پا سکتی ہیں، عموماً احادیث روایت احادیث ہیں، اور ان کا ایک حصہ مستفیض ہے یعنی صحابہ کے بعد ان کے راویوں کی کثرت ہوئی ہے، اس لئے یہ روایتیں صرف قرآن پاک کی آیات کی تائید میں کام آسکتی ہیں، مستقلًا اون سے عقائد کا ثبوت حاصل نہیں کیا جاسکتا۔

۲۔ اب رہ گئے احکام، ان کے لئے مستفیض احادیث سب کچھ کار آمد ہیں، دنیا میں تمام عملی کاروبار اسی پر چل رہا ہے، ایک آدمی تھا آپ کو آکر اطلاع دیتا ہے کہ فلاں شخص آپ کو بلا تھا ہے آپ بے چول وچور اس کے ساتھ ہو جاتے ہیں، کبھی سوال وجواب نہیں کرتے کہ اس نے بلا یا بھی ہے، یا نہیں، ہاں اگر کسی قرینہ سے لٹک ہوتا ہے، تو سوال و جواب کر لیتے ہیں، یہی سب صورتیں احادیث میں بھی جاری ہیں، مثلاً اگر کوئی حدیث کسی دوسری زیادہ معتبر روایت کے خلاف ہو، قرآن کے خلاف ہو، یا اور کوئی بات اس کے مخالف نظر آئے، تو ایسے موقع پر یقیناً صاحب تحقیق کو حق ہے کہ اس پر حکم کرے۔

## احادیث قرآن سے ماخوذ ہیں؟

بہت سے علمائے محققین کی طرح میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ احکام و اخلاق کے متعلق صحیح احادیث میں جو کچھ ہے، وہ تمام تر قرآن سے ماخوذ و مستنبط ہے اور چونکہ وہ خود صاحب وحی کا باتائد الٰہی و بشری ربانی استنباط ہے اس لئے بشرط ثبوت وہ بھی یقینی اور واجب التعیل ہے، قرآن کی اصطلاح میں اس کا نام "تبیین" ہے اور "کھولنا" اور "اراءت" دکھانا ہے، اس موقع پر ہم کو بے شک یہ گلہ ہے کہ ہمارے علماء اور مخصوصاً علمائے متاثرین نے اس حیثیت سے قرآن پاک کی خدمت کم کی، حالانکہ صحابہ اور آئمہ مجتهدین نے اپنے اجتہادات اور استنباطات میں ہمیشہ قرآن کو سب سے اول پیش نظر رکھا، لیکن انہوں نے فن کی حیثیت سے اس کو مستقل نہیں کیا، ان کا زمانہ تدوین فن کا نہ تھا یہ بعد کے لوگوں کا کام تھا، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جس طرح کتب فتاویٰ کی سولت نے لوگوں کو فقہ سے اور کتب فقہ کی سولت نے حدیث سے باز رکھا، اسی طرح حدیث کی سولت اور ایواب کی تفہیم نے لوگوں کو قرآن کی طرف رجوع کرنے سے باز رکھا، قرآن مجید میں ہر مسئلہ اللہ الگ عنوانوں اور بابوں میں درج نہیں، اس لئے لوگوں کو تلاش میں وقت ہوتی ہے، پھر قرآن سے استنباط کر لیتا ہر عالی کا کام نہیں، علماء میں سے جنہوں نے احکام القرآن پر کتابیں لکھیں، انہوں نے بھی تفسیری ترتیب کو چھوڑ کر فقی ترتیب کو اختیار نہیں کیا، جس کی وجہ سے جو مشکل لوگوں کو قرآن کی طرف رجوع ہونے سے پہلے پیش آتی تھی، وہ پھر باقی رہی، بیکار ضرورت ہے کہ ان عقائد القرآن اور اخلاق القرآن پر ہمارے علماء مفصل کتابیں لکھیں، آج بھی جو لوگ قرآن پاک کے ساتھ شغف کا انہصار کر رہے ہیں، اور قرآن ہی کو صرف جنت جانتے ہیں، وہ جانے اپنے موجودہ طرز عمل کے قرآن و احادیث کے باہمی تعلق و ارتباط پر اس نظر یہ کو سامنے رکھ کر کام کرتے، تو اسلام

کے لئے کتابوں اعظم الشان کا رسمہ انجام دیتے، مگر افسوس ہے کہ اس کے جائے اور بھی تفریق و انتشار کا باعث ہو گا، جس کی مثالیں چند ہی سال میں پنجاب کے مختلف اضلاع میں نظر آتی ہیں۔

بہر حال اس غلط طریقہ کے سوا ایک اور خلط بحث بھی ہو رہا ہے۔

## حدیث و سنت میں فرق

آج کل لوگ عام طور سے حدیث و سنت میں فرق نہیں کرتے اور اس کی وجہ سے برا مخالفہ پیش آتا ہے، حدیث توہر اس روایت کا نام ہے، جو ذات نبوی کے تعلق سے بیان کی جائے، خواہ وہ ایک ہی دفعہ کا واقعہ ہو یا ایک ہی شخص نے بیان کیا ہو، مگر سنت دراصل عمل متواتر کا نام ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل فرمایا، آپ کے بعد صحابہ نے کیا، پھر تابعین نے کیا، کوئی زبانی روایت کی حیثیت سے متواتر نہیں، مگر عملاً متواتر ہے، اسی طرح یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک واقعہ روایت کی حیثیت سے مختلف طریقہ سے بیان کیا گیا ہو، اسلئے وہ متواتر ہو مگر اس کی عام عملی کیفیت متواتر ہو، اس متواتر عملی کیفیت کا نام سنت ہے۔

فرض کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی فرضیت کے بعد تمام عمردن میں پانچ دفعہ پڑھتے رہے، آپ صحد تمام صحابہ کا بھی طرز عمل رہا، یہی تابعین کارہا، اور یہی روئے زمین کے تمام مسلمانوں کارہا، ان کا بھی جو خاری و مسلم کے وجود سے پہلے تھے، اور ان کا بھی جو اس کے بعد پیدا ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پانچ وقت کی نماز اصطلاحی روایت متوارہ سے ثابت ہو یانہ ہو، لیکن عمل متوارہ سے بلا شک و شبہ ثابت ہے، تیرہ سو برس زائد سے آج تمام دنیا کے مسلمان جن کے عقائد، اعمال، خیالات، اخلاق، زبان، تمدن، وطنیت اور زمانہ میں ہے حد اختلاف اور تفاوت ہے، تاہم اس بات میں سب کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم اور آپ کے اصحاب دن میں پانچ نماز پڑھا کرتے تھے، فلاں فلاں اوقات میں پڑھا کرتے تھے، اور فلاں فلاں ارکان کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، یہ تو اتر عملی ہے، جس کا انکار مکاہدہ ہے۔

کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان پانچ اوقات کا تعین اور اس طرح طریقہ نماز خاری یا مسلم یا بہو حنفیہ اور شافعی رحمۃ اللہ علیم کی وجہ سے مسلمانوں میں رواج پذیر ہے۔ یہ وہ عملیت ہے جو اگر خاری یا مسلم دنیا میں نہ بھی ہوتے تو بھی وہ اسی طرح عملًا ثابت ہوتی، اگر دنیا میں بالفرض احادیث کا ایک صفحہ بھی نہ ہوتا تو بھی وہ اسی طرح جاری رہتی، احادیث کی تحریر و تدوین نے اس طرز عمل کی ناقابل انکار تاریخی حیثیت ثبت کر دی ہے، تو کیا پھر اس بنا پر کہ اس عملی کیفیت کو دوسرا یا تیسرا صدی کے کسی حدیث نے الفاظ و تحریر میں قلم بند کر دیا، وہ تو اترحد اعتبار سے گرمیا؟

## عملی روایت میں اختلاف

اس موقع پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بعض عملی روایات میں بھی تواختلاف ہے، روایتوں میں ہے کہ آپ یا صحابہؓ رفع یدین کرتے تھے، بعض میں ہے کہ نہیں کرتے تھے، بعض میں ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھتے تھے، دوسری روایت میں ہے کہ ناف پر ہاتھ باندھتے تھے، ایک میں ہے کہ آئین زور سے کہتے تھے، دوسری میں ہے کہ آہستہ کہتے تھے، آپ کہ سکتے ہیں کہ دونوں عملًا کیوں نکر درست ہو سکتے ہیں، میرا جواب یہ ہے کہ اس مشکل کے حل کی بھی وہی تدبیر ہے جو دنیا کے دوسرے روایتی واقعات کے حل میں اختیار کرتے ہیں اگر آپ کے سامنے کسی نادیدہ واقعہ کے متعلق دو حتم کی مختلف روایتیں آتی ہیں، تو آپ کیوں نکر فیصلہ کرتے ہیں؟ یہی کرتے ہیں کہ دیکھتے ہیں کہ ان دونوں میان کرنے والوں میں سے کون زیادہ معتبر اور شفہ ہے؟ یا کس کا بیان

دوسرے یقینی حالات و اقدامات سے زیادہ قرین قیاس ہے یہی صورت ان احادیث میں بھی ہے، جتنا حصہ ان عملی روایات کا ایسا ہے جو بلا ادنیٰ اختلاف مثبت ہے، وہ یقینی اور ناقابل رد ہے، اور جتنا حصہ مختلف فیہ ہے اگر ان مختلف پہلوؤں میں کوئی ایک پہلو اصولاً اور قیاساً زیادہ معتبر ہے اس کو اختیار کرنا چاہیے اور اگر سب پہلو بردار ہیں، تو یہ مان لینا چاہیے کہ ان مختلف طریقوں میں جس طرح بھی کیا جاتا ہے وہ صحیح ہے۔

فرض کیجئے نمازوں کے متعلق پانچ اوقات کے عمومی تعین، نمازوں کی تعداد، نمازوں کی عام ہبئیت یعنی قیام، زکوع، وجود، اور حالت قیام قرآن پڑھنے میں اور دوسرے ارکان میں تسبیح و تسلیم کرنے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے یہ عملی متواتر ہے اور اس میں کوئی شہد اور شک نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ بات کہ رفع یہ دین کیا جائے یا نہ کیا جائے، آمین زور سے کہی جائے، یا آہستہ، دو وقت کی نماز ایک وقت میں کب اور کمال پڑھی جاسکتی ہے، ان کے متعلق اگر اختلاف ہے تو تحقیق کرنی چاہیے کہ ان میں سے غالب پہلو کس طرف ہے، اگر آپ کو اس کا پتہ لگ سکے، تو اس کو اختیار کیجئے ورنہ یہ سمجھ لیجئے کہ دونوں طرحوں سے جائز ہے، اور ان میں سے جو پہلو بھی کوئی اختیار کرے اس پر ملامت نہیں ہے۔

## سنّت کی حقیقت

اس تفریق سے معلوم ہو گیا کہ سنّت اور حدیث میں عظیم الشان فرق ہے حدیث مختص روایت کی حیثیت کا اور سنّت اس کے عملی تواتر کا نام ہے، احادیث کو چھوڑ کر قرآن پاک کی بھی یہی صورت ہے قرآن پاک کا حکم ہے کہ نماز پڑھو "اقیمُوا الصَّلَاةَ"؛ اور اس کی تفصیلات بھی جا جاتا دیں، انہی کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر بتا دیا اور فرمایا "صَلُوْكَمَارَاءِ يَتَمُونَی" اس طرح نماز پڑھو، جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا، آنحضرت ﷺ تمام عمر، اسی

طرح پڑھتے رہے، قرآن پاک کے الفاظ کی جو عملی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمائی، وہی سنت ہے، اور یہ گویا قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، جس کا مرتبہ احادیث کے لفظی روایات سے بدر جمال بند ہے، سنت کے علاوہ اسی مفہوم کے لئے قرآن پاک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے دوسرے الفاظ کا بھی استعمال کیا ہے مثلاً سبیل اور اسوہ وغیرہ، مگر ان سب کے معنی چلے ہوئے راستہ اور ہیروی کے ہیں، یعنی وہ راستہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھی چلے تمام صحابہ چلے اور اکابر امت چلے، وہ سنت ہے، سبیل ہے، طریق ہے، اور اسوہ ہے، اور یہی وہ مفہوم ہے جس کے لئے امام مالک نے موطا کا لفظ ایجاد کیا، اور اپنے مجموعہ روایات کا نام رکھا، موطا کے لفظی معنی پامال اور روند نے کے ہیں، یعنی وہ پامال اور روند اہو راستہ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ گذرے یہی راستہ عملی اسلام کا ہے اور وہی قرآن کی صحیح عملی تفسیر ہے۔

## کتاب و سنت

احادیث میں اکثر کتاب و سنت کا لفظ ساتھ ساتھ آیا ہے خصوصاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری خطبوں میں ہے مکہ "تمہارے درمیان وہ چیزیں چھوڑ جیلنٹہ و علکا" تکلبی اللہ اور اپنی سنت "اس حدیث کی تشریع میں سنت سے مقصود ہر لفظی روایت اور عین عن کی حدیث نہیں ہے بلکہ آپ کا عمل متواتر اور موطا طریق یہی ہے، یہود قرآن پاک کی صحیح تفسیر و تشریع ہے،

## سنت اور بدعت

آپ نے دیکھا کہ سنت کی حقیقت کیا ہے اور احادیث میں جس سنت کے اتباع کی بار بار تائید آئی ہے وہ کیا چیز ہے اور "علیکم بسنتمی" میر اطريقہ اختیار کرو،

بعض امور کے متعلق من سنتی میرا طریقہ کہنا، بعض چیزوں کے متعلق  
اصبیت السنۃ تم نے سنت کو پالیا کئے کا کیا مفہوم ہے،

اسی سنت کا مقابل بدعوت ہے، جس کے معنی نئی بات کے ہیں، اور ہمیشہ  
سنت اور بدعوت یہ دونوں لفظ مقابل اور ضدین کی حیثیت سے بولے جاتے ہیں،  
کیونکہ سنت کے معنی ہیں وہ طور طریق جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اور  
بدعوت کے معنی ہیں اس کو چھوڑ کر اور اس سے الگ ہو کر اپنے لئے کوئی نئی راہ عمل  
اختیار کرنا، اسی لئے پہلی چیز ہدایت اور دوسرا مثال ہے۔

### کیا سنت عبرانی لفظ ہے؟

اردو کے اسی ساقی الذکر رسالہ میں اسی ساقی الذکر مضمون نگارنے یہ  
دعویٰ کیا ہے کہ سنت کا لفظ عبرانی "مناہ" سے نکلا ہے، یہودیوں نے تورات کو چھوڑ  
کر اس قسم کے مجموعہ روایت کو اپنا ماخذہ بنا لیا تھا، جس کو وہ مناہ کہتے تھے، اسی طرح  
مسلمانوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر جس چیز کو اپنا ماخذہ بنایا ہے، اس کا نام بھی اسی لفظ  
مناہ سے لیکر سنت بنایا ہے۔

افسوس ہے کہ یہ تحقیق اتنی ہر قسم کے اندر ورنی و بیر ورنی اسلامی و افرنجی،  
عربی و عبرانی تحقیقات کی نکال سے باہر ہے، اور ایسا ورنی کرنا اہل علم کی نگاہوں  
میں اپنی حقیقت کو عریاں پیش کرنا ہے۔

عبرانی لفظ مناہ "مس" سے نہیں ہے، بلکہ "ث" سے ہے، یعنی شاہہ جو  
عربی میں شنی اور اثنین اور تینیہ کی صورت میں ہے، اس کے لفظی معنی دو کے ہیں،  
اور یا مکر اور دہرانے کے ہیں، شاہہ تورات کی پانچویں کتاب کا نام ہے، جس کو  
آج کل عربی میں "مشینہ" کہتے ہیں، اور غلطی سے اس کا ترجمہ استثناء کر دیا گیا ہے۔

انگریزی میں اس کا ترجمہ ڈیوڑونوی ہے، جس کے لفظی معنی وہی شئی اور مکر کے ہیں، تورات کے وہ وہ قوانین جو بچھلی کتابوں میں مذکور ہیں، اس کتاب میں ان کو ایک نئی ترتیب کے ساتھ مرتب اور مددن کر کے پیش کیا گیا ہے، اس لئے اس کا نام شہادت ہے، یا شئی اور مکر کہا گیا، خود قرآن پاک نے اپنے اوپر شہادت کی جمع مشافی کا اطلاق متعدد آیتوں میں کیا ہے، غور کیجئے کہ اس شہادت کے لفظ کو سنت سے کیا تعلق ہے، شہادت کوئی ایسا لفظ نہیں جو علمائے سلف اور لغوثین عرب کو معلوم نہ ہو، لسان العرب، صحاح جو ہری، مجھع البخار، فتنی سب میں یہ لفظی شئی کے تحت میں مذکور ہے، اور اس کے معنی لکھے ہیں اور اس پر تھوڑی سی حدث کی ہے، سنت خالص عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے لفظی معنی راستے کے ہیں، لیکن بول چال میں اس کے معنی، اس طریقہ عمل کے ہیں جس پر ہمیشہ کوئی عمل جاری رہے قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے۔

گذشت قومون کا طریقہ عمل گذر چکا ہے

قد مضت سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ

(انفال)

8:38

لیکن یہ کہ گذشت قومون کا طریقہ عمل ان کے ساتھ مرتباً جائے،

الا انْ تَاتِيهِمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ

(کعب)

18:55

ان لوگوں کا طریقہ عمل جن کو ہم نے تم سے پہلے رسول نہیا،

سُنَّةُ مَنْ فَتَدَ اَرْسَلْنَا

قبلک 8.77 (اسراءٰ)

سُنَّةُ اللَّهِ كَالْفَظِ قرآن مجید میں اس معنی میں کئی دفعہ آیا ہے

وَلَنْ تَجِدَ لِسْنَةَ اللَّهِ تَبَدِّي لَا،	48:23
(سورة ق)	
وَلَنْ تَجِدَ لِسْنَةَ اللَّهِ تَحْوِي لَا،	33: 62
(سورة احزاب)	
وَلَنْ تَجِدَ لِسْنَةَ اللَّهِ تَبَدِّي لَا،	35:43
(فاطر)	

کیا اس سے بھی زیادہ ہم کو اپنی شادت کیلئے کسی اور دلیل کی ضرورت ہے۔

### سنن اور بدعت کا معیار

مسلمانوں میں اختلاف کا آغاز قرن اول ہی سے ہو گیا تھا، لیکن غور سے دیکھنے کے لیے اختلاف زیادہ تر نظریات و آراء کا تھا، جن کو عمل سے تعلق نہ تھا، کیونکہ غیر مادی، غیر محسوس امور کے متعلق کوئی محسوس و مادی عملی شادت پیش نہیں کی جاسکتی تھی، مثلاً یہ کہ خلافت مسلمانوں کے مشورے سے ہے، یا نص اللہی سے ہے، یہ شیعہ اور اہل سنت کے درمیان سب سے اہم حث ہے، یا یہ کہ قیامت میں دیدار اللہی ان ظاہری آنکھوں سے ہو گا یا نہیں؟ یہ ایک معرفۃ الاراء، اختلافی حث مفترزلہ اور اشاعرہ و ماتریدیہ کے درمیان میں ہے، لیکن یہ تمام اختلافات نظریاتی حیثیت رکھتے ہیں، ان مسائل میں جن کی حیثیت عملی، مادی اور محسوس تھی، مسلمانوں میں کوئی بڑا اختلاف کبھی پیدا نہیں ہوا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر عملی سنن سب کے پیش نظر تھی، اور یہ اسلام کا سب سے بڑا تمیاز تھا، رفع یہ دین، آمین باللہ، وضع یہ علی الصدر، قراءت فاتحہ خلف الامام کی حث اگر فریقین کا غلو اور تعصب علیحدہ کر دیا جائے تو یہ صرف افضلیت کی حث رہ جاتی ہے جو زیادہ اہم نہیں۔

یہ ہر مذہب کا اصول کلی ہے، خصوصاً اسلام کا اور فطر تھا ایسا ہی ہونا بھی چاہئے،

ہر مذہب کا بھرپور عہد اور دور وہ ہوتا ہے، جو خود صاحبِ مذہب کا مبارک زمانہ ہوتا ہے، اس کے بعد اس کے جانشینوں اور صحبت یا نتوں کا پھر رفتار فتنہ اس میں ضعف ہوتا جاتا ہے، اور اس کے مذہب کا قوام بگوتا جاتا ہے، اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اصل مذہب نہیں بلکہ وہ ہے، قرآن کا یہ حکم نہیں بلکہ وہ ہے تو اس کا فرض ہے کہ رسول کے مبارک عہد میں جو طرزِ عمل اس کو نظر آتا ہے، اس کو اصل مذہب کا معیار قرار دے، اور جو چیز اس عہد میں نظر نہیں آتی اور بعد کو وہ شامل ہو جاتی ہے، اس کو مذہب سے خارج یعنی بدعت قرار دے، اس اصول کی بنا پر جو بالکل واضح ہے، ہر اوس شخص کا جو اسلام کے اصلی پیکر کی جلوہ آرائی کا مدعا ہے اور قرآن کی صحیح تعلیم کو آج دنیا میں پیش کرنا چاہتا ہے، یہ فرض ہے کہ وہ اس اصلاحیت اور اس صحیح تعلیم کے خدوخال اس عہد مبارک کی عملی زندگی میں دکھائے، اور یہ بتائے کہ آج جو غلطیاں اس کو نظر آتی ہیں وہ اس وقت نہ تھیں بلکہ بعد کو اسلام میں داخل ہو گئی ہیں، مثلاً یہ بتائے کہ اس عہد مبارک میں صرف دو وقت یا تین وقت کی نماز تھی، بعد کو خاری و مسلم وابوداؤ مرتب ہوئیں تو مسلمانوں میں پانچ و تتوں کی نماز کاررواج ہوا، پسلے اس طرح نماز پڑھی جاتی تھی بعد کو اس میں فقماء اور محد شین نے یہ اضافہ کر دیا، اگر یہ ثابت نہیں ہو سکتا، اور یقیناً ثابت نہیں ہو سکتا، تو یہی ماننا پڑے گا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نحوذ بالله) اپنے زمانہ میں اپنی وحی کے سمجھنے میں غلطی کی، اور اب اس کو ہندوستان کے عمومی اپنی معمولی صرفی و نحوی لیاقت سے درست کر رہے ہیں، کیا کوئی مسلمان بلکہ انسان بھی ایسا احتمالہ دعویٰ کر سکتا ہے؟

معارف اگست ۱۹۲۹

# پھر مبحث سنت

## کچھ اور اختراعات والزامات

(۱)

دوستوں کو یاد ہو گا کہ اگست ۱۹۴۹ء کے معارف میں ایک صاحب (۱) کے جواب میں "سنت" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا تھا جس میں مدعاً مذکور کے اس خیال کی تردید کی گئی تھی کہ سنت اور زبانی روایات یا حدیث ایک چیز ہیں اور اس کے اس اختراع کی غلطی ظاہر کی گئی تھی کہ مسلمانوں کا لفظ سنت "یہودیوں" کے لفظ "مناة" سے ماخوذ ہے جو یہودیوں کے ان زبانی روایات کے مجموعہ کا نام ہے جو سنہ عیسوی سے پہلی و پیش زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ۷۰ ہزار برس بعد مرتب ہوا تھا۔

اسی مضمون سنت کے چھپنے کے بعد مدعاً مذکور نے پہلے خط و کتابت کے ذریعہ سے سوال و جواب کیا اور اس کے بعد ایک طویل مضمون اپنے مدعا کے اثبات اور

(۱) نیاز ق پوری

میری تردید میں چھپا لیا، جمال تک اصل مسئلہ کا تعلق ہے، اس کے جواب میں انشاء اللہ کو تابی نہ ہو گی بلکن موصوف کے مضمون کے لب و لجہ اور طرز و انداز کے جواب کی توقع کم از کم معارف میں نہ رکھنی چاہیے۔

مجھے یہ ظاہر کرنے میں خوشی ہے کہ معارف کے اس مضمون سنت کو اللہ تعالیٰ نے توقع سے زیادہ کامیابی حٹھی، موافقین کے علاوہ بعض نمذہب دوستوں کے شکوک بھی اس سے دور ہوئے۔

مگر افسوس ہے کہ اصل مخاطب کو اس سے تشغیل نہیں ہوئی بلکہ اپنی غلطی یا غلط فہمی پر ان کا اصرار اور بڑھ گیا، موصوف کو میرے انگریزی نامہ جانئے پر تاسف ہے، یہ تاسف مجھے خود بھی ہے، مگر ان کی تسلی کے لئے بطور اظہار و اقدح یہ امر ان پر ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی آرزو کے مطابق میں کم از کم اتنی انگریزی جانتا ہوں کہ انسائیکلو پیڈیا کے تاریخی و مدنہ ہی مضمایں پڑھ اور سمجھ سکوں، انہیں اس کا اطمینان رکھنا چاہیے، اور یہ بات ان کو میری اس تصنیف (ارض القرآن) کو پڑھ کر سمجھ لئی چاہیے تھی، جس کی ابھی انہوں نے اپنے والانامہ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۳۰ء میں تعریف و توصیف کی ہے، اور اپنے مضمایں میں اس سے سرقد کا "خلوت" "اعتراف" جا کیا ہے، اور ناظرین بھی ان کے مضمایں "قرآن مجید و آثار قدیسہ" اسلامک رویو اور اشاعت اسلام میں دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں۔

مضمون زیرِ حث میں دو قسم کی ٹھیکیں ہیں، ایک لفظی اور دوسری معنوی دو نوں بحثوں کو علیحدہ کر دینا ہے، تاکہ مسئلہ صاف ہو جائے۔

## مسنات اور سنت

لفظی حث یہ ہے کہ ہمارے دوست کا دعویٰ ہے کہ یہود اپنی زبانی روایات کو "مناہ" اور مسلمان اپنی زبانی روایات کو "سنت" کہتے ہیں، مسلمانوں کا یہ عربی لفظ

"سنت" یہودیوں کے عبرانی لفظ "مناہ" سے ماخوذ ہے، دونوں بالکل ایک لفظ ہیں، اور ہم معنی ہیں۔

میں نے اگست ۱۹۲۹ء کے معارف میں مدئی کی اس تحقیق سے اختلاف کیا، اور ثابت کیا کہ اولاً عبرانی لفظ "مناہ" "س" سے نہیں بلکہ "ث" سے ہے، یعنی "مناہ" اور دوم، اس کے معنی عبرانی میں دوسرے، دوہرائے اور اعادہ و تکرار کے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اس کا اطلاق موئی کی پانچویں کتاب پر ہوتا ہے، جس کو یونانی ڈیڑھونوی کہتے ہیں جس کے معنی دوسرے اور دوسرے قانون کے ہیں، اور عبرانی میں اس کو شنا کہا جاتا ہے اور عبرانی میں شہادت کہتے ہیں، اور آج کل تجربۃ الاشتراع (دوبارہ قانون سازی) کہتے ہیں اور ان سب کا مأخذ عبرانی میں "شنا" اور عربی میں "ذننی" اور ان دونوں کے معنوں میں دونوں زبانوں میں دو، دو، دوہرائے کا مفہوم ہے اور سنت خالص عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی راستہ اور طریق کے ہیں، اور اصطلاح میں اس کے معنی وہ طریق ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر قائم رہے، اس کے معنی زبانی روایات کے نہ لغوی ہیں نہ اصطلاحی، اس لئے عبرانی "مناہ" اور عربی سنت میں کوئی باہم مشارکت و ممائش نہیں اور نہ عربی سنت عبرانی شہادت سے ماخوذ ہے۔

ہمارے مخاطب اول نے اس مضمون کو پڑھ کر ۵ دسمبر ۱۹۲۹ء کو مجھے خط لکھا کہ "تماری تحقیق غلط ہے، ڈوڑھونوی کے لئے منا (س) لفظ ہے، اور شنا بالکل جد گانہ لفظ ہے،" میں "ایک سے زائد یہودی معلمین سے اس لفظ کی تحقیقات کر چکا ہوں، اور اس کی تائید انسانیکو پڑھیا ہو مانی کا سے بھی مل سکے گی،"

"اگر اس کے معنی آپ سنت سے علیحدہ دکھائیں تو میں ہار مان لوں"

میں نے اس کے جواب میں جو کچھ لکھا اس کا مطلب یہ تھا کہ ہٹا توراۃ کی پانچویں کتاب پر بھی اطلاق کیا گیا ہے، اور تالמוד کے ایک حصہ کا نام بھی ہے، یہ کوئی اہم

نقط اختلاف نہیں ہے بلکہ اصل چیز "شا" کے معنی ہیں، ساتھ ہی میں نے اطلاع دی کہ "شا" کے معنی تعلیم اور سکھانے کے بھی ہیں، انہوں نے اس کے مانے سے بھی انکار کیا، اور لکھا کہ تم کو تلمود کے معنی سے دھوکا ہوا ہے، جس کے معنی والغا تعلیم اور سکھانے کے ہیں، اب اس تازہ مضمون میں ہمارے دوست نے پھر اپنی پرانی تحقیق کو بہت فخر و ناز کے ساتھ دہر لایا ہے، "کوئی دلیل یا حوالہ نہیں درج فرمایا ہے۔"

اب نقط اختلاف دو ہیں۔

-1- کیا تورات کی پانچ میں کتاب کو بھی عبرانی زبان میں شائع لئے ہیں۔

-2- کیا سنت اور مٹنا ایک ہیں۔

## شنا توراة

تورات کی پانچ میں کتاب کو میرے "شا" کرنے پر مدعا نے متعجب اڑایا ہے اور فرمایا ہے کہ "ایک یہودی چہ بھی اس کو سن کر نہیں دے گا" مگر میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ تحقیق کا راستہ متعجب سے مرا خل دور ہے، "توراة کی پانچ میں کتاب کا نام" "قانون ہائی" اس لئے رکھا گیا ہے کہ قانون اول کے بعد دریائے اردن کے اس پار حضرت موسیٰ نے اس کو دوبارہ میان کیا، جیسا کہ اس کتاب کے آغاز میں تحریر ہے، "اس کا عبرانی نام" "الوہی دہران" بھی ہے، مگر بعد کو شاید مصر کے ترجمہ سیعینی کے وقت سے اس کا نام "شنا توراة" مشہور ہو گیا، جس کے معنی "قانون دوم" کے ہیں، اسی لئے پوناہی اور اس سے یورپ کی زبانوں میں اس کا نام "ڈینزرونوی" یعنی دوسرا قانون پڑا، اور اسی لئے پرانی عربی میں "شاة" اور نئی عربی میں اس کا نام "جنتۃ الاشتراع" ہے، یعنی "دوبارہ قانون بنانا" بہر حال ان سب کے معنوں میں دو، دوم، اور دہرانے کا مفہوم

داخل ہے، جس سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے کہ تورات کی اس کتاب کے لئے جس ہٹا کا لفظ بولا جاتا ہے وہ ”ش“ سے ہے ”س“ یا ”ث“ سے نہیں؛ جیسا کہ مدعا کا دعویٰ ہے، کیونکہ دوازدوم کے لئے جو عبرانی مادہ ہے وہ ”شا“ ہے۔

حوالوں کے لئے سب سے پہلے ”ڈاکشنری آف بابل“ (مرتبہ جیسیں ہمیشہ وغیرہ) جلد اول ص 596 مطبوعہ 1900ء ملاحظہ فرمائیے؛ جس میں لکھا ہے کہ اس کا نام ”ڈیلوڑونوی عبرانی الفاظ“ ”مشنا تورات“ کا ترجمہ ہے، جس کے معنی ”سخن“ ہانیہ کے ہیں، اس کے بعد انگریزی کی مشہور ”ڈاکشنری“ ویکی اینٹر نیشنل میں لفظ ”ڈیلوڑونوی“ دیکھئے اس میں ہے۔

”ڈیلوڑونوی“ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ موسیٰ کے قانون کا دھراو (یا اعادہ ہے)، اب عبرانی لغت میں دیکھ لیجئے کہ دھرانے اور دوسرے اور دوبارہ کرنے کے لئے لفظ ہٹا ہے، سایا شنی یا شہ نہیں ہے، جیسا کہ ہمارے محقق دوست ہم کو باور کرانا چاہتے ہیں، جیسا کہ آگے بتفصیل معلوم ہو گا۔

میرے مضمون سنت کی اشاعت کے بعد موصوف نے 5 دسمبر 1929ء کو جو خط مجھے لکھا تھا، اس میں ارقام فرماتے ہیں۔

”ہند جس کے معنی ”ڈیلوڑونوی“ کے صحیح لئے ہیں، وہ ہٹا سے بالکل جد الفاظ ہے، اور اس کا تلفظ منا ہے“

اب موصوف اپنے تازہ مضمون میں ”ڈیلوڑونوی“ کے لئے ہم کو لفظ ”ش“ دیتے ہیں، ”ش“ کے یہ حکم رہے کہتے وہ ارشاد رہے اگر آپ کے کہنے سے تورات چشم کے لئے منا صحیح مانا جائے تو تالموں کے لئے بھی تو آپ نے منا اور منا ہی تلفظ پہلے مضمون میں لکھا ہے، اب یہ التباس کیوں نکر دو رہو گا۔

آپ میرے قول کی تکذیب کے لئے توراتہ چشم اور حصہ تالیمود دونوں کے درمیان فرق منا اور مثنا یا شنہ یا شنی کہہ کر لاکھ پیدا کیجئے، سب محکمہ تحقیق کے سامنے رہ ہو جائے گا، دونوں لفظ قرشت والی "ش" منقوط سے ہیں، اس غیر منقوط یا ث منقوط سے ان میں کوئی لفظ نہیں پڑتا اور ث کا حرف تو عبرانی میں سرے سے موجود ہی نہیں، اس لئے شنہ یا شنی تو عبرانی میں ہو ہی نہیں سکتا۔

اب ہمارے دوست غور فرمائیں کہ کس کی تحقیق پر "ایک یہودی چہ بھی نہ دے گا" درستگایں کا سہ رندال خواری منگرید۔  
کا میں حریف اخ خدمت جام جمال نہ کر دے اند

### مثنا اور سنت

بہر حال یہ مسئلہ کہ مثنا تالیمود مراد ہے، یا مثنا توراتہ ایک ضمی محث ہے، اصل سوال یہ ہے کہ کیا عبرانی "منا" اور عربی سنت ایک چیز ہے۔

اس سلسلہ میں ہم اپنے محقق دوست کی ایک دلچسپ لفظی تحریف کا ذکر مناسب سمجھتے ہیں، اصل عبرانی لفظ مثنا (ش منقوط) ہے جیسا کہ میرے ٹوکنے پر اب اس دوسرے مضمون میں انہوں نے استعمال کیا ہے، مگر پہلے مضمون میں اس کا عبرانی تلفظ "منا" بتایا تھا اور یہ اس غرض سے تاکہ سنت اور مثنا میں س "ن" اور ش "ن" کا اشتراک ہو جائے اور یہ دعویٰ باسائی ثابت ہو جائے کہ سنت اور مثنا ایک ہیں، اور اب جب انہیں معلوم ہوا کہ عبرانی کا حرف شناس ان کے سوا کوئی اور بھی ہے، تو مجبوراً اس کے لئے دوسرے مضمون میں (مثنا) منقوط سے بولے یا لبجب!

میں نے اپنے سنت والے مضمون میں یہ دکھایا تھا، اور پھر باعلان دعویٰ کرتا ہوں کہ سنت اور مثنا میں کوئی لفظی یا معنوی میں ہے، مثنا کے معنی اگر بھول ان

کے زبانی روایات کے ہیں، تو سنت کے معنی عربی میں طریق دروش اور راستے کے ہیں  
قرآن میں سنت کا لفظ انہی معنوں میں بار بار آیا ہے احادیث میں انہی معنوں میں  
استعمال ہوا ہے، اور لغت اور اشعار عرب میں بھی ان ہی معنوں میں یہ لفظ لاگیا ہے،  
قرآن پاک میں ہے لَنْ تَحْدِدْ لِسْنَةَ اللَّهِ تَحْوِيلًا، کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم  
خدا کی ”زبانی روایتوں“ میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے، یا یہ معنی ہیں کہ تم خدا کے  
طریق اور طرز عمل میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے؟

احادیث میں ہے من سَنَ سُنَّةَ حَسْنَةَ فَلَهُ أَجْرٌ هَا کیا اس کے یہ  
معنی ہیں کہ کوئی اچھی ”زبانی روایت“ کرے گا تو اس کو اس قسم کی نیکیاں ملیں گی، یا  
یہ معنی ہیں کہ جو شخص کوئی اچھا اور پسندیدہ راستہ یا طریقہ نکالے گا تو اس کو بھی اس کی  
نیکیاں ملتی رہیں گی،

**مشور حدیث ہے إِنَّكَاهُ مِنْ سُنَّتِي** کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ نکاح

میری زبانی روایت ہے یا یہ معنی ہیں کہ نکاح میرا طریقہ ہے، اشعار عرب میں ہے۔

وَأَنَّ الْأَئِيْ بِالْطَّفْ مِنْ أَلْ هاشم تاسوا فسنوا اللَّكْرَام التَّا سِيَا  
(آل ہاشم وہ جو طف میں ہیں، انہوں نے باہم غنواری کی، تو غم خواری کو  
شریفوں کا طریقہ نہ دیا

”سنو“ کے معنی یہاں عملی طریق دروش و طرز عمل کے ہیں، یا زبانی روایت  
کے، زبانی روایت کے معنی ہو بھی سکتے ہیں اور ان بھی سکتے ہیں؟

یہ تو عربی زبان کی تحقیق ہوئی، اب آئیے عبرانی زبان کی خانہ تلاشی کی

جائے ”شا“ کے معنی ”زبانی روایات“ کے ہیں؟ اس بارے میں میں نے پہلے جو لکھا تھا، اس کو دہرا دیتا ہوں کہ یہ وہی لفظ ہے جو عربی میں ”شی“، ”شمیه“، ”شمی وغیرہ کی صورت میں ہے، اور اس کے معنی دہرانے دوبارہ کرنے اور دوسرا ہونے کے ہیں، ”مضمون“ نگار کا دعویٰ ہے کہ اس کے معنی ”زبانی روایات“ کے ہیں، میں سوا اس کے اور کیا کہوں۔

صیاد شی و لا تو نجھ مکن چیزے کے خواہندہ تو تفسیر مکن ۶

ان کی ”شفی“ کے لئے ان کے حسب مشورہ میں سب سے پہلے یورپ کے عملی صحائف کو پیش کرتا ہوں جس پر، ان کا ایمان شاید تمام دوسرے مشرقی صحائف سے زیادہ ہو اسائیکلو پیڈیٹیا طبع یا زد ہم کے مضمون تالмود کے شروع میں (جلد 26، صفحہ 380) ہے۔

”تالمود (عبرانی میں: سیکھنا سکھانا)“ میں شامل ہے، ”شاپر (عبرانی میں: زبانی)“

دہرانا

پھر اسی کتاب کے اسی ایڈیشن (یا زد ہم) کی جلد 13 صفحہ 107 مضمون ہیرود (عبرانی) کے ضمن میں ہے۔

”شاکا نام عبرانی لفظ“ ”شا“ سے مشتق ہے، جو آرائی لفظ ”شا“ سے مطابق ہے اور اسی لئے یہ شاتک کتاب کے لئے موزوں ہے، جس کے معنی زبانی قانون کے دہرانے یا سکھانے کے ہیں۔

ان دونوں اقتباسوں سے ظاہر ہے کہ اس کے اصلی معنی دہرانے یا سکھانے کے ہیں، لفظ زبانی یا زبانی قانون کا اضافہ، اگر کسی نے کر دیا ہے، ”تو وہ لغت کی حیثیت سے نہیں بلکہ صرف وجہ تسبیح کی مناسبت دکھانے کے لئے خارج سے اضافہ کر دیا گیا ہے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ نام اس کا کیوں پڑا اس کی تائید کے لئے میں لغات عبرانی کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔

بدل جانا، جدا ہونا، دوبارہ کرنا، دھرانا	شناو شنہ
دو، دو، دو	شینہم
دوبارہ	شینہم
دوسرًا درجہ، دوسرے درجہ کا، دوچند	مشنہ
دوسرًا	مشنا

نخات عبرانی مصنفہ پادری ولیم ہو پر اپنی دو نئی کام لج، شائع کردہ پنجاب  
للمحیں سوسائٹی الہ آباد 1880ء صفحہ 420) میں کے معنی بھی عبرانی میں دوبارہ کرتا،  
دوسرے اور پھر کے ہیں، یہی لفظ عربی میں اثنین اثنین اٹھتیں بمعنی، سیمیہ، شنی شنی تو روشنی ہے،  
پہلے تمام الفاظ کے معنی دو اور دوسرے کے ہیں، اور اخیر لفظ کے معنی پھر نے کے ہیں۔  
مشناور اس کے مصدر شنا کے یہی تمام معنی عبرانی، انگریزی ڈکشنری، شائع کردہ  
سوال بیکسر (لندن) میں 273، 272 میں ہیں، تحقیق کیلئے کتاب مذکور کی طرف رجوع کیجئے۔  
انگریزی کی مشہور ڈکشنری دیکشنری انٹر نیشنل ڈکشنری ہے اس میں  
”مشنا“ (Midhna) کی نسبت حسب ذیل تحقیق ہے۔  
”مشنا“ (عبرانی مشناہ) یعنی ”تعییم“، ”زبانی قانون“، عبرانی لفظ شنا سے ماخوذ ہے  
جس کے معنی دہرانے (ری پیٹ) کے ہیں، قدیمہ بابلیکل عبرانی میں اس کے معنی،  
سیکھنے سکھانے کے ہیں، یہ یہودیوں کے روایتی تعلیمات کو کہتے ہیں جو ربیوں کے زیر  
نظر خاص طور سے تیری صدی عیسوی میں مرتب ہوئیں، تلمود کے ایک حصہ کا نام  
ہے، جس پر اس کی جیادتے۔

صاف ظاہر ہے کہ ”زبانی روایات“ اس کے لغوی معنی نہیں، اس کے لغوی معنی دہرانے اور اعادہ کرنے اور دوبارہ کرنے اور دوسرے درجہ کے ہیں، اسکا اطلاق یہود اپنی زبانی روایات کی کتاب پر اسلئے کرتے ہیں مگر وہ گذشتہ قانون کا اعادہ ہے، یا

پلے قانون پر نظر ٹانی ہے، یا تورات کے مکتوبی قانون کے بعد یہ زبانی روایت کی کتاب دوسرے درجہ پر ہے، یا قدیم عبرانی کے مطابق اس کے معنی سمجھنے، یا سخنانے کے لئے کر، اس کی کوئی مناسب وجہ تیسہ بنائی جائے۔

### شناۃ

اب میرا کہنا وہی ہے، جو پلے کما جا چکا ہے کہ جس کو عبرانی میں مشنا یا مشناہ کہتے ہیں، وہی عربی لفظ میں شناۃ ہے جس کے معنی دو یادو ہرانے کے ہیں، اور ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ عبرانی مشنا جس کا شناۃ قانونی کتاب پر اطلاق ہوا ہے، اس کے لئے بھی عربی لفظ "شناۃ" ہے اور اس کی جمع "مشانی" ہے اور خود قرآن پاک نے اس کا کئی مقام پر اپنے اوپر اطلاق کیا ہے۔

اور ہم نے اسے غیرہ! تم کو "مشانی" میں  
سے سات دیئے

ولقد أتیناكَ سبعاً مِنَ المثاني  
15:87 (الجر)

اس خدا نے اتنا ابھرین کلام "ایک کتاب  
جبا ہم موافق اور "مشانی" ہے

نزل احسن الحديث كتابا  
متشابهاً مثاني  
39:23 (الزمر)

شناۃ کے معنی کتاب کے بھی عربی میں موجود ہیں، نیز مشناۃ المود کے لئے وہی لفظ عربی میں مستعمل ہے، لسان العرب لفظ شناۃ کے تحت میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اس عاص کی ایک روایت کی شرح میں ہے۔

پوچھا گیا کہ شناۃ کیا ہے کما جو خدا کی  
کتاب کے سوا کھا گیا، گویا خدا کی جو کتاب  
لکھی گئی، وہ پہلی تھی، اور یہ دوسری ہے،  
ابو عبیدہ نے کہا کہ میں نے تورات کے ایک  
عالم سے جو شناۃ سے واقع تھا اور اس کو پڑھ

قيل وما المشناة قال استكتب  
منْ غيْرِ كِتَابِ اللَّهِ كَانَهُ جَعَلَ  
مَا اسْتُكْتَبَ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ مَبْدًا  
وَهَذَا مَثْنَىٰ قَالَ ابُو عَبِيدَهُ  
سَأَلْتَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ

العلم بالكتاب الأول  
قدْعُرْفَهَا وَقَرَأَهَا عَنِ الْمَثَانَةِ  
فَقَالَ إِنَّ الْأَجْبَارَ وَالرَّهْبَانَ مِنْ  
بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ  
وَضَعُوا كِتَابًا فِيهَا بَيْنَهُمْ عَلَىٰ  
مَا أَرَادُوا مِنْ غَيْرِ كِتابِ اللَّهِ  
فَهُوَ الْمَشَانَةُ

چکا تھا پوچھا کہ مشنا کیا ہے؟ اوس نے جواب دیا کہ یہودی علموں اور درویشوں نے حضرت موسیٰ کے بعد اپنے حسب خواہش خدا کی کتاب کے سوا ایک اور کتاب، تالی تھی، وہی مشنا ہے۔

## خاتمه

کیا عبرانی مشنا، ہیعنی مثنہ نہیں ہے، اب بھی شک کی گنجائش ہے؟ بہر حال اس سخت گیری کی پالیسی سے ہم اپنے حریف کو دق کرنا نہیں چھاتے بلکہ یہ عرض کرتے ہیں کہ خواہ آپ تورات کی پانچویں کتاب مراد مجھے یا تلمود کی کتاب دونوں کا مأخذ عبرانی لفظ شنا اور شنہ ہے، جس کے معنی بدلنے دہرانے یا دوسرا ہونے یا دوبارہ ہونے کے ہیں یا سیکھنے کے ہیں، اور سوائے اخیر معنی کے الفاظ ہو، شنی، شنیہ اور شنی اس کے مراد فیں، اور عربی لفظ سنت کو جس کے لغوی معنی راستہ اور طریق کے اور اصطلاحی معنی طریق محمدی کے ہیں، اس سے ادنیٰ سامنی تعلق نہیں، سنت کا مادہ س، ن، ن، یعنی سنت ہے، اور مشنا یا مشنا کا عبرانی میں، ش، ن، ه، یا الاف اور عربی میں ش، ن، ہی ہے، اس تفصیل کے بعد امید ہے کہ ہمارے دوست اپنی تحقیق پر مزید نظر ہانی فرمائے علم اور اسلام دونوں کو اپنا منون احسان بنائیں گے، ورنہ ان کی تحقیق کو ہقول ان کے ایک یہودی چہ بھی سن کر نہ دے گا۔ آخر میں ایک اور بات عرض کر دوں کہ ”مشنا“ زبانی روایات کو بھی نہیں کہتے،

بلکہ اس کتاب کا نام ہے جس میں یہود نے اپنی زبانی روایات کو جمع کیا ہے، اگر گلتان اخلاقی فصوص و حکایات کے کسی مجموعہ کا نام ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ گلتان کے معنی اخلاقی فصوص و حکایات کے ہیں۔

دوران تحقیقیں میں فرماتے ہیں کہ

”مولانا کی یہ دلیل اور بھی پر لطف ہے کہ سنت کا لفظ قرآن میں ہے، اس نے یہ عبرانی زبان سے ماخوذ نہیں“

میں نے اگر ایسا کہا ہو تو یہ یقیناً غلط ہے۔ لیکن

عَنْ شَنَاسَ نَهْ دُلْبِرَ اَخْطَاءِ اَسْ جَاسْتَ

میں نے خدمت والا میں یہ عرض کیا تھا کہ

”سنت خالص عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے لفظی معنی راستے کے ہیں، لیکن بول چال میں اس کے معنی طریقہ عمل کے ہیں، جس پر ہمیشہ کوئی عمل جاری رہے قرآن پاک میں یہ لفظ اسی معنی میں مستعمل ہے۔“

ہر صاحب بصرت میرے استدلال کو سمجھ سکتا ہے، کہ عبرانی لفظ مشاہ(ش) عربی میں مشناۃ(ث) ہے اور جس کے معنی دونوں زبانوں میں دوسرے یا دھرانے یا اعادہ کے ہیں، اور اس سے الگ ”سنت کا لفظ ہے، جس کے معنی راستے اور طریق کار کے ہیں، اور عربی میں یہ دونوں لفظ الگ الگ مستقل صورتوں میں وارد ہیں اور خود قرآن پاک میں ہیں۔

وَلَقَدْ أَتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي      ہم نے تم کو ”مثانی“ میں سے سات دین،

”مثانی جمع ہے، واحد کی صورت وہی شناۃ ہے، اور سنت الگ ہے،“

پہلوں کا راستہ طریقہ یا سنت

سُنّةُ الْأَوَّلِينَ،

اگر شہادت اور سنت ایک لفظ ہوتے تو عربی میں شہادت اور سنت دو لفظ موجود نہ ہوتے اور قرآن ان کو دو لفظ دو تلفظوں کے ساتھ دو معنوں میں استعمال کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ شہادت اور سنت دو الگ الگ مستقل اور مختلف المعنی لفظ ہیں یہ ہے میرا استدلال جس کی آپ نے غلط تعبیر کی، میرے گزشتہ مضمون پر ایک نظر ڈالنے سے مضمون نکار کی غلط فہمی واضح ہو سکتی ہے،

معارف جولائی ۱۹۳۰ء



# عرب وامرکیہ



## عرب و امریکہ

عام طور سے مشور ہے کہ امریکہ کو کو لمبس نے ۱۳۹۸ء میں دریافت کیا ہے، یہ شہرت اس لحاظ سے تو صحیح ہے کہ عام متعددن پرانی دنیا کو اس نئی دنیا سے پوری واقفیت اسی وقت سے ہوئی اور اسی کے بعد سے دونوں میں میل جوں اور ہر قسم کے علمی و تہذیبی و تجارتی تعلقات قائم ہوئے۔ یہاں تک کہ آج نئی اور پرانی دنیا ایک گھر کے آنکن بن گئے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں کہ کو لمبس سے پہلے اس نئی دنیا میں پرانی دنیا کی کسی نووارد قوم یا اشخاص کے قدم نہیں پہنچے۔

یہ مسئلہ کہ امریکہ تک بھی عرب جماڑاں پہنچ چکے تھے ہو ہندوستان میں نیا ہو، مگر مصر کے بعض ممتاز فاضلوں نے اس پر متعدد اوقات میں میں کی ہیں علامہ زکی پاشا نے سسلی کے عرب جغرافیہ نویس اور ریسی المتنوی ۵۶۰ھ کی زہبۃ الشاتق فی اختراق الآفاق کا ایک حوالہ پیش کیا تھا، جس میں بحر ظلمات میں اندر لس کے چند عرب نوجوان جماڑاں کے جماڑا چلانے کا ذکر ہے، مگر ابھی تک نہ تو مصر میں اور نہ ہندوستان میں اس مسئلہ کے تمام اطراف پر حث کی گئی اور نہ تمام ممکن مواد بیجا فراہم کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں حسب ذیل باتیں تنقیح کے قابل ہیں،

1- کیا عربوں نے اور زیادہ عام لفظوں میں کیا مسلمانوں نے "ربع مسکون" کے پرانے نظریہ کی تنقید کی تھی؟

2- کیا ان کو زمین کی گواہی اور اس کے تحائفی اور فوتوںی حصوں کا علم تھا؟

3- کیا اور ائے بحر ظلمات انہوں نے پہنچنے کی کوشش کی؟

۴۔ کیا آج کلن کے نئے محققین اس نظریہ کو قبول کر سکتے ہیں؟

ذیل کی سطروں میں ان میں سے ہر ایک مسئلہ پر اپنی تلاش و فکر کے نتیجے پیش کرتا ہوں، ربع مسکون، بطلیموس نے دو خطوط کے تقاطع سے روئے زمین کے چار برادر حصے کئے تھے، ایک خطہ قطب جنوبی سے قطب شمالی تک فرض کیا تھا، اور دوسرا زمین کے پیش سے آفتاب کے مقابل پسلے خط کو کاٹتا ہوا (اس کو خط استواء کہتے ہیں) وسط افریقہ سے گذرتا ہے، اس طرح دو خطوط کے تقاطع سے زمین کے چار فرضی حصے ہوئے دو شمالی اور دو جنوبی اور خط استواء ان دونوں شمالی اور ان دونوں جنوبی حصوں کے پیش سے گزرتا ہے، بطلیموس کی رائے یہ ہے کہ انسانی آبادی روئے زمین کے ان چار حصوں میں سے صرف ایک شمالی حصے میں ہے، اسی کو اصطلاح میں ربع مسکون کہتے ہیں یعنی چوہائی حصہ (ربع) جو آباد ہے، (مسکون) باقی تین چوتھائی حصے زیادہ تر سندروں میں غرق ہیں، لور کچھ گرمی اور سردی کی غیر معتدل شدت کے سبب سے سکونت کے قابل نہیں۔ مسلمانوں نے شروع میں بطلیموس کے اس نظریہ کو بعینہ تسلیم کیا، لیکن

بہت جلد وہ اس پر شکوک و اعتراضات وارد کرنے لگے، بطلیموس کے حامیوں نے اس کی رائے کی صحت پر فلسفیانہ اور طبی دلائل گھڑ کر کھڑے کئے، مگر دوسروں نے ان کو توڑ دیا، اور ایک مدت تک یہ مناظرہ گرم رہا، ایرانی، اندر رشد، طوسی، قطب شیرازی، شریف جرجانی، نبر جندی، قوجی، اور چغمینی کی تقسیمات میں زمین کی بیت کے باب میں یہ عکس مذکور ہیں، یہاں مثال کیلئے نصیر طوسی التوفی ۶۷۳ھ کے مذکورہ اور اس کی شرح توضیح اندکرہ مَوْلَةَ نَظَامِ عَرْجِ (تالیف ۷۱۱ھ) اور اس کے خالیہ سے کچھ عبارتیں نقل کرتا ہوں۔

یہ تسلیم صحیح نہیں 'غلاہے' اس لئے کہ ان کے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی شہر بھی میں نے نہیں پایا چہ چاہئے کہ کوئی دلیل ان کے پاس ہو، اس نہ پایا اکل ممکن ہے کہ زمین کی

وہذا التقسيم غير صحيح  
فاسد، ايضاً لانا مارأينا لهم  
في هذه المقدمة شبهة فضلاً

باقی چوتھائیوں میں بہت سی آبادیاں ہوں جن کی خبر ہم تک اس لئے نہیں پہنچی، کہ ہمارے اور ان کے درمیان جدا کر دینے والے سند راور بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔

من حجۃ فعلیٰ هذا يحتمل  
ان يكون في الأربع الباقیة  
عمارات كثیرة لم يصل إليها  
خبرهم لما بنينا وبينهم من  
البحار الفرقة والجبال  
الشاهقة (نسخة قلمی دارالمحضون)

اسی طرح جنوپی حصہ میں آفتاب کی شدت گرمی کے سب سے عدم آبادی کا جو پرانا نظریہ تھا، اس پر بھی ضرب کاری لگائی تور کہا۔

اس مکان کے سب سے کہ وہ بھی آباد ہوں، اور ہم تک ان کی خبر اس لئے نہ پہنچی ہو، کہ بڑے بڑے دریا اور پہاڑ جو میں حائل ہوں، جو ان کے حالات ہم تک پہنچنے سے مانع ہوں۔

لحواظ آنَّ يكون مَسْكُونًا  
و لا يصلَ إلينا خبرُهُم للبحار  
العظيمة والجبال الشامقة  
الشاهقة المانعتان من ان  
يصلَ خبرُهُمْ“  
(کتابہ ذکور)

آخر میں اس نظریہ کی کہ صرف "ریج مکوں" ہی کیوں کھلا ہوا ہے، اعتراف اور جواب کے بعد بظاہر کوئی سمجھیدہ دلیل نہ پا کر کہا،

حاصل یہ کہ زمین کے شمالی چو تھائی حصہ  
کے صرف کھلے ہونے کا سامنے عنايت  
اللہی کے کوئی سبب معلوم نہیں اور نہ کوئی  
دلیل اس پر ہے، کیوں ایک ہی شمالی  
چو تھائی حصہ آبادی اور رہنے کے لائق ہو،  
اور دوسرا نہ ہو، حالانکہ اس کے سب  
حصول کی وضع (پوزیشن) فلکیات کی  
نسبت سے برداشت ہے۔

و بالجملة ليس لا نكتشاف هذا  
القدر المذكور من الأرض اي  
الربع المسكنون الشمالي  
سبب معلوم غير الناية الالهية  
والا لما فضل احد الربعين  
الشماليين بها اي بالعمارة  
والسكنى دون الآخر مع  
تساوي ارتفاعهما بالقياس  
إلى السمadiات

(کتاب مذکور)

شارح نے اس "عنایت اللہی" کے نظریہ کو بھی تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ  
عنایت نے دوسرے ربع شمالی میں بھی آبادی رکھی ہو۔

اس کا پورا امکان ہے کہ دوسرا چو تھائی حصہ  
بھی معمور نہ آباد ہو اور دہل کے رہنے  
والوں کا حال ہم کو معلوم نہ ہو،  
الجوازان يكون الرابع الآخر  
مسكوناً معموراً ولم يصل  
إلينا خبرهم،

(کتاب مذکور)

اس حدث سے اندازہ ہو گا کہ اس پر اول دنیا کے علاوہ دوسری دنیا کا نظریہ  
مسلمانوں نے علمی استدلال کے طریقہ سے سمجھا تھا اور یونانی نظریہ ربع مسکون کی  
کوئی طبعی اور فلسفیانہ توجیہ ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، تو نویں صدی ہجری کے وسط

میں قاضی زادہ روی نے محمود چقینی التوفی 745ھ (1344) کی ملخص کی شرح  
میں جس کو اس نے رصد خانہ سرقت کے باñی سلطان الغیک کے نام سے لکھا ہے کہا ہے

اور باتی تین چوتھائی زمین بظاہر غیر آباد  
ہے کہ اگر آباد ہوتی تو غالباً اس کا حال ہم  
تک پہنچتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے  
اور وہاں کے باشندوں کے درمیان یہ دے  
سمندر 'پہاڑ' اور دور دراز صحراء ایسے ہوں  
جو ان کی خبر کو ہم تک پہنچنے میں حائل  
ہوں، لیکن یہ میان کیا گیا ہے کہ ایک جزوی  
چوتھائی حصہ میں قبوہ ایسی آبادی ہے۔

وسائل الاریاع خراب ظاهرًا  
والا نوصل خبر هم اليها غالبا  
ويحتمل ان يكون بينما  
وبينهم بحار مفرقة وجبال  
شاهقة و بواسطه بعيدة تمنع  
وصول الخبر اليها غيران احد  
أربعين الجنوبيين قد حكى  
فيه قليلاً من العمارة،

(ص 114 مطبوعہ 2171 لکھنؤ)

اگر ایک ہی شامی چوتھائی آباد ہے، تو پھر یہ مسئلہ مشتبہ رہا کہ دو شامی رخوں میں  
سے کون آباد ہے، 'فوقانی یا تھقاتی' تو چونکہ ریع مسکون ہی کے مسئلہ کو مسلمان مشتبہ سمجھ  
گئے تھے اس کی علت بتانے میں بھی پس و پیش کرتے تھے، اس لئے انسوں  
نے صحیح طور سے یہ کہا کہ نیچے اور اوپر کی ٹیکے اس لئے فضول ہے کہ ہر ایک دوسرے  
کی نسبت سے نیچے اور اوپر ہے، 'صریح' کے شارح امام الدین لاہوری نے حاشیہ کی یہ  
عبارت نقل کی ہے۔

اس چوتھائی زمین کی تعیین مشکل ہے بس  
محال ہے کیونکہ اگر یہ کما جائے کہ وہ فوقانی  
ریع ہے، تو یہ فوقانی ہونا تو دوسرے کو بھی  
کہہ سکتے ہیں۔

ان في تعیین هذا الربع تعرضاً بل  
تعذر لان لوقيل هذا هو الربع  
الفوقاني لصدق على الآخر،  
(ص 55)

اسی کی شرح میں عصمت اللہ سارپوری نے کہا ہے

لآن کل منها الفوqانی  
کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے اوپر کی  
نسبت سے فوqانی ہے۔  
بالنسبة الی من علیہ

اس کے بعد تصریح کی عبارت حسب تحریر ملا عصمت اللہ حسب ذیل ہے

حاصل یہ کہ یہاں کوئی علامت الیک نہیں  
ہے جس سے ایک حصہ دوسرے سے ممتاز  
ہو سکے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ الیک  
اس مقام پر مشتبہ طریقے سے یہ کہ دیتے  
ہیں کہ وہ شامل ریوں میں سے ایک آباد  
ہے۔

والحاصل انه ليس هناعلامة  
يمتاز احدا هما عن الآخر  
ولذلك تراهم يفهمون الكلام  
ويقولون للمعمور احد  
الربعين،

(باب ملا عصمت اللہ)

ملا عصمت اللہ اور امام الدین بعد کے لوگ ہیں، لیکن انہوں نے جو کچھ لکھا  
ہے وہ اگلوں کی نقل ہے۔

امن خلدون مفرغی التوفی 808ھ نے مقدمہ میں رجع مسکوں کے نظریہ کی  
تصویر کے بعد لکھا ہے،

”اور یہیں سے حکمانے یہ اخذ کیا ہے کہ خط استواء اور جو اس کے پیچھے ہے  
آبادی سے خالی ہے، اور ان حکماء پر یہ اعتراض کیا گیا ہے، کہ یہ مقام تو مشاہدہ اور  
سیاحوں کے متواتریات سے ثابت ہے، کہ آباد ہے تو پھر اس دعویٰ پر دلیل کیسے قائم  
ہوگی۔

(یعنی دعویٰ ہی غلط ہے)

پھر قدیم حکماء کی طرف سے یہ بات ملتی ہے۔

”بظاہر حکماء کا مقصد یہ نہیں ہے کہ خط استواء کے پیچے آبادی بالکل محال ہے، جبکہ ان کے استدلال نے ان کو یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ وہاں گرمی کی شدت کے سبب سے پیدائش کا فساد قوی ہے، اور اس لئے آبادی اس میں محال ہے، یا بہت کم ممکن ہے اور وہ ایسا ہی ہے، کیونکہ خط استواء اور جو اس کے پیچے ہے، گواں میں آبادی سمجھیسا کہ بیان کیا گیا ہے، مگر بہت کم ہے۔“

اس مسئلہ کو اس سے بہت پہلے ان رشد المتنی 595ھ نے پیش کیا اور کہا کہ خط استواء کے دونوں طرف جب کیساں صورت ہے تو خط استواء کے جنوب میں کیوں آبادی نہ ہو،

ان رشد نے کہا ہے کہ خط استوا معتدل ہے، اور اس کے جنوب میں جوز میں ہے وہ، ویسی ہے جیسی اس کے شمال میں ہے، تو جس طرح استوا کے شمال میں آبادی ہے، جنوب میں بھی ہو گی“ (مقدمہ ان خلدون)

ان خلدون اسی خیال کی مزید تشریح اور جواب دیتے ہوئے کہتا ہے، لیکن یہ کہنا کہ خط استوا میں آبادی محال ہے، تو متواتر بیان اس کی تردید کرتا ہے۔  
(مقدمہ ص 43 مصر)

جوبات ان رشد نے کی وہی حسن بن احمد ہمدانی المتنی 945ء 334ھ نے جزیرہ العرب میں کہی ہے،

لیکن خط استوا کے پیچے جنوب تک اس کی طبعی کیفیت شمال کی طبعی کیفیت کے مانند ہر چیز میں ہو گی، لیکن صرف اسی قدر اختلاف ہو گا، جن کوئی نے سراز الخجۃ

واماً خلف خط الاستوا الى  
الجنوب فان طباعة تكون  
على طباع شق الشمال سواء  
في جميع احواله الا

میں لکھا ہے، یعنی آنتاب کے نقطہ اونچ اور  
نقطہ حشیش میں اختلاف ہے جو اثر پیدا  
ہوتا ہے،

قدِر ما ذکر نافیٰ کتاب سراہر  
الحکمة ما ذکرنا اختلاف  
حالی الشمس فی راس  
ارجها ونقطة حضيظها  
(ص ۵ لیڈن)

اس کے بعد لکھا ہے کہ بحر اعظم کی موج و طغیانی کی شدت کے سبب سے  
اوہر جنوبی سوت (یعنی جنوبی افریقہ) میں سمندر کی طرف سے جانے کی کسی کوہت  
نہیں پڑتی۔

ہدائی نے آنتاب کے نقطہ اونچ و حشیش کا جو فرق پیدا کیا تھا، نصیر الدین طوسی التوفی  
672ھ نے اس کو کمزور ثابت کیا اور کہا

فمن البعید ان يبلغ تأثيرها الى  
حد يصير احد موضعين  
متتساوين في الوضع  
مسكونا والآخر غير مسكون  
یہ دوراز قیاس ہے کہ آنتاب کی تاثیر اس  
حد تک پہنچ جائے کہ وہ مقام جو وضع  
(پوزیشن) میں یکساں ہوں ان میں سے  
ایک آباد ہو اور دوسرا غیر آباد ہو!

(تقویم البلدان ابو الفداء)  
(ص ۵ بیرون)

اوہر علماء تو اس مناظرہ میں مصروف رہے کہ وہاں آبادی ہے یا نہیں یا عقلانی  
ہو سکتی ہے، یا نہیں، اور اوہر کم لکھے پڑھئے سیاح اور جہاز راں خط استواء کو پار کر کے  
افریقہ کی ہر سوت میں تیر گئے۔

جنوبی حصہ میں افریقہ کا جماں تک تعلق ہے، عرب تاجر اور سیاح اس کے گوشہ  
گوشہ سے واقف ہو چکے تھے، جماں جماں موجودہ زمانہ میں الیل یورپ پہنچے، مسافران

عرب کے نشان قدم بر ابر پائے، عملی عرب سیاح اور جہاز راں خط استواء کو پار کر کے افریقہ کے ایک ایک کونے اور گوشے میں پہنچے اور خط استواء سے پیچے راس الرجال الصاح (گذ ہوپ) تک سب چھان مارا چنا چھے اب عبد اللہ ال بکری کی صفة الافریقہ و المغرب، ان بطور کے سفر نامہ کے آخری ابواب اور ان خلدون کے مقدمہ اور تاریخ میں ان کے حالات موجود ہیں، لیکن اصلی باشندوں نے تو حش اور جہالت اور حیوانیت کے سبب سے ان کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی۔

ان خلدون جنوبی افریقہ کے بعض مقامات، بحلا، سکرور، غانہ اور سلطنت مالی کا نام لے کر کرتا ہے،

”اور آج کے زمانہ میں یہ پوری سر زمین سو ڈالی قوم کی مملکت میں شامل ہے، اور ان کے ملک تک مرکش کے سوداگر جاتے ہیں، ..... اور ان کے پیچھے جنوب میں کوئی قابل ذکر آبادی نہیں، ہاں کچھ آدم صورت انسان ہیں، جو انسانوں کے مقابلہ میں جانوروں سے زیادہ قریب ہیں، وہ صحراءوں اور غاروں میں رہتے ہیں، اور گھاس اور غلہ بن پکائے کھاتے ہیں، اور ان میں ایک دوسرے کو کھا جاتے ہیں، وہ انسانوں کے شمار میں نہیں۔ (مقدمہ ص 54 مصر)

مشرقی افریقہ تو عربوں کا وطن ہو گیا، زنجبار پر وہ قابض تھے اور سواحل میں مد گاسکر (قنبلو) کے مقابل تک انکا بحری گزر رکھا تھا، مغربی افریقہ گائنا (غانہ) میں ان کی نوآبادی تھی، شمالی افریقہ تو ان کی عظیم الشان سلطنتوں کا مرکز ہے، اور آج تک وہ اس پر قابض ہیں، اور جنوبی افریقہ کے حیوان نما انسانوں کا حال ابھی پڑھ پکھے، لیکن انسوں نے محنت کر کے ان میں سے اکثر جانوروں کو انسان بنایا۔ اور کچھ کو ان کے جانشین اہل فرگنگ نے بعد کو انسان بنایا اور باقی آج بھی جانور ہیں، الغرض

”افریقہ کی ہر سمت میں عرب تاجر اور نوآباد پھیل گئے تھے مگر، ازولو، کفر

دریا، (الکفرہ) میں وہ آباد تھے اور ان کے قدیم آثار موجود ہیں، 1903ء میں روڈیشیا شہابی ٹرنسوال میں ایک عرب کی قبر ملی ہے جس میں مرنے والے کا نام سلام اور تاریخ وفات 95ھ 714ء کھدی ہے، اسی طرح اہل جرمی نے چند سال ہوئے مشرقی افریقہ کے اندر ورنی علاقہ میں قدیم شرمنکا میں وانگا کے قریب قدیم عربی کتابے پائے جن کو وہ برلن عجائب خانہ لے گئے،

”پرتگالیوں کی تاریخ میں ہے کہ جب انکے جہازات جنوبی مشرقی سواحل افریقہ گذھوپ، اور نائل کے درمیان سفر کر رہے تھے، تو انہوں نے عربوں کو پایا، جن کے جہازات سے ساحل بھرا ہوا تھا، اور کفر دریا کے ملک سے بہت سا سونا اپنے جہازوں میں لا دچکے تھے، تاکہ وہ اپنے ملکوں کو لے جائیں (۱)

مغربی افریقہ میں تاجیر یا کاؤنسلیں خطر عربوں کی نوآبادیوں کا مرکز تھا اور ہے، یہاں پر خصوصیت کے ساتھ ہم کو مغربی افریقہ کے ایک گوشہ سے جس کو عرب خانہ اور اہل یورپ گا نئنا (guinea) کہتے ہیں، بحث ہے، اور جو قدیم زمان سے سونے کی سرزی میں ہے، (غانہ) اہل عرب اس سونے کی سرزی میں تک بہت پہلے پہنچ چکے تھے، عربی جغرافیوں میں اس کا نام بار بار آیا ہے، اور عجیب بات یہ ہے کہ ہر قوم میں اس ملک کا نام ہی سونا ہو گیا ہے، عربی میں خالص سونے کو بتر کہتے ہیں لیکن بتر اس کا عربوں میں نام ہے، چنانچہ یاقوت نے بحیرہ البلدان میں، غانہ کا حال غانہ سے زیادہ بتر میں لکھا ہے، یہ گا نئیورپ میں جا کر گئی کی صورت میں سونے کی اثر فیہن گئی،

گا نئی خط استواء کے جنوب میں مغربی افریقہ کے اس ساحل پر واقع ہے، جہاں سے جنوبی امریکہ اور پرانی دنیا کا ایک طرح سے مجاز پڑتا ہے، اس لیے اس موقع پر اس کی خاص اہمیت ہے،

(۱) یہ دونوں اقتباس المتصل بمقتضى مرسى ۱۹۱۵ء کے مضمون الصلة بالفريقة القديرى سے مأخوذ ہیں۔

اہل ؓ رب گانَا کب پہنچے اس کی صحیح تاریخ معلوم نہیں، لیکن قیاس کیا جاتا ہے کہ دوسری صدی میں مصر اور نوبہ اور جہ وغیرہ افریقی قبیلے یہاں کے سونے کا خراج مصر میں ادا کرتے تھے، اور وہاں مسلمان عمال اور مزدور آباد ہو چکے تھے (۱) اپنچھیں صدی ہجری کے اندر لبی جغرافیہ نویس ابو عبید عبد اللہ البکری التوفی ۴۸۷ھ - ۱۰۹۷ء نے کتاب المسالک والمالک کے حصہ کتاب المغرب فی ذکر بلاد افريقيه والمغرب میں گانَا کا، وہاں کے قبائل کا، ان کے بادشاہ کا، اور اسکی سلطنت کا پورا حال لکھا ہے، اور وہاں کے مسلمانوں کی سکونت اور آمد و رفت کی اطلاع دی ہے، یہ حالات مصنف نے ۴۶۰ھ میں لکھے ہیں، شر غانہ کے دو حصے تھے، ایک میں مسلمان رہتے تھے، جس میں بارہ مسجدیں تھیں، ایک جامع مسجد تھی۔ ان مسجدوں میں امام و موذن اور علماء سکونت پذیر تھے، دوسرے میں بادشاہ اور اس کے ارباب حکومت رہتے تھے، بادشاہی عمارت کے پاس بھی ایک مسجد بنی تھی، جس میں وہ لوگ فریضہ نماز ادا کرتے تھے، جو بادشاہ کے پاس آتے تھے، ملک کے دوسرے حصے میں بھی مسلمانوں کی آبادیاں تھیں، بادشاہ اور اس کے قبیلے کے لوگ اس وقت تک پرست تھے، لیکن مسلمانوں کی پوری عزت کرتے تھے، لیکن اسی زمانہ میں بادشاہ نے ایک مسلمان کی تبلیغ سے اسلام قبول کر لیا، وہاں ایک ایسی عرب قوم بھی آباد تھی، جو نبوامیہ کے زمانہ میں فوج کی حیثیت سے آئی تھی، اور یہیں رہ پڑی، بعد کو وہ اپناندہ ہب بھی بھول گئی (۲)

اس یہاں سے معلوم ہوا کہ عرب یہاں نبوامیہ ہی کے زمانہ میں یعنی پہلی صدی ہجری کے آخر یا دوسری صدی ہجری کے شروع میں پہنچ چکے تھے، چھٹی صدی ہجری میں غرباط کے ابو حامد اندر لبی التوفی ۵۹۵ھ نے جو اپین سے لے کر چین تک سیاحت کر چکا تھا، اور بغداد میں اقامت گزیں ہو گیا تھا، تحفہ الالباب کے نام سے جغرافیہ اور عجائب عالم پر ایک کتاب لکھی ہے اس میں وہ غانہ کے متعلق لکھتا ہے۔

(۱) طبری و افات ۲۳۵ (۲) کتاب المغرب فی صفة افريقيه و بلاد المغرب صفحات ۱۷۵، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱

ان کا ملک مرکش کے اس حصہ سے جو  
طبخ سے ملا ہے، اور بحر الظلمات (اطلانٹک)  
کے سواں پر پھیلا ہے، متصل ہے،  
وبلاد هم میما بلی المغرب  
الا علی' المتصل بطنجۃ  
متدا علی' بحر الظلمات (۱)

ابو حامد کا یہ میان بہت بہم ہے، مرکش شمال میں ہے، اور غانہ اس کے جنوب میں اور  
دونوں کے بیچ میں صحرائے افریقہ ہے، لیکن اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے  
واتق تھا، بہر حال اس کے زمانہ میں ان اطراف کے پانچ قبیلے مسلمان ہو چکے تھے، جن  
میں ایک غاز کا قبلہ تھا۔

ان کے بادشاہوں میں سے پانچ قبیلے جیسا کہ میان کیا جاتا ہے، مسلمان ہو گئے  
ان میں سے قریب تر غانہ ہے، جس کی ریگ میں خالص سونا پیدا ہوتا ہے، اور ان کے  
یہاں سونا بہت ہے۔

(س 41 و ص 42 یہ رس)

اس کے بعد اور یہی مرکشی التوفی 560ھ نے سلی میں بیٹھ کر شاہ سلی  
کے حکم سے جغرافیہ کی مشہور کتاب زہراۃ المشاق فی اختراق الافق لکھی، اس میں غانہ  
کے حال میں جیسا کہ ابن خلدون نے نقل کیا ہے، لکھا ہے کہ غانہ میں علوی سادات  
کی سلطنت ہے۔

گنی میں جیسا کہ کہا گیا ہے، بنی صالح نام علویوں کی سلطنت اور حکومت  
ہے زبان کی کتاب کے مصنف (اور یہی) نے کہا ہے کہ اس کے بانی کا نام صالح بن  
مبد الدین بن حسن بن حسین ہے۔

ان خلدون کرتا ہے کہ عبداللہ بن حسن کی اولاد میں صالح نام کوئی شخص معروف نہیں ہے، بیکار حال ان خلدون المتوفی ۸۰۸ھ کے زمانہ میں غانہ کاملک سلطان مالی کے زیر حکومت تھا۔<sup>(۱)</sup>

مشور سیاح ان بطور جو اسی زمانہ میں تھا، وہ اسی سلطان کے زمانہ میں غانہ پہنچا تھا اس سلطان اور اس کی مملکت اور قوم کے حالات اس نے اپنے سفر نامہ کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں، یہ لوگ دیندار مسلمان تھے اور عربی زبان افریقہ کے دوسرے حصوں کی طرح یہاں بھی سرکاری و نہ بھی دونوں حیثیتوں سے روانچ پڑی رہی، یہیں سے ان بطور سلطان مراکش کی دعوت پر تمام دنیا کا چکر لگا کر اپنے ملک میں واپس گیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

اب عبید بحری انڈ کی ابو حامد غرناطی، یاقوت روی چغرا فیہ کے ان تینوں مصنفوں کی کتابوں میں زمانہ میں سونے کی بڑی بڑی داستانیں ہیں کہ کس طرح عرب تاجر مراکش اور مغرب سے اونٹوں پر لاد کر نمک اور دوسرے معمولی سامان لے جاتے ہیں اور وہاں سے سونا بھر کرو اپس لاتے ہیں، اس داستان کو یہاں زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں، مگر اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ آخری نتیجہ میں یہ بات کام آئے گی۔

## شمالی روس اور بحر پیر نگ

جب سے اب شمال کا رخ کیجئے، عرب چو تھی صدی کے شروع میں خلیفہ مقتدر بالله کی خلافت میں انتہائی شمالی روس تک پہنچ چکے تھے، جہاں رات صرف چار گھنٹوں کی ہوتی تھی، وہاں کا بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا اور خلیفہ سے خواہش کی تھی کہ اس کی اور اس کی قوم کی تعلیم کے لئے کچھ لوگ بھیجے جائیں، خلیفہ نے ان فضلان کی سرکردگی میں ایک وفد وہاں روانہ کیا، وہ آذربجان ہو کر نہراں لیعنی والگاٹے کر کے

(۱) مقدمہ للن خلدون ص ۴۶ مصڑ کرا قلمیم اول (۲) سفر نامہ ان بطور آخری باب،

انتہائی شمالی روس کے قدیم شر بلغار میں پہنچا، اور کچھ روز رہ کروہاں سے واپس آیا۔ اس پورے سفر کی رواداد اس وقت بھی مختصر طور سے مجتمع البلدان کے الفاظ بلغار اور روس میں درج ہے، آٹھویں صدی میں ان بخطوط شمالی روس کے اس سرے پر پہنچا تھا، جس کے آگے شمالی قطب کی برف پوش زمین تھی، اور جہاں بقول ان بخطوط برف پر چلنے کے لئے کتوں کی گاڑیوں کی ضرورت تھی، اور یہ کہتے ہیں کہ قیمت تھے اس وجہ سے ان بخطوط آگے نہ بڑھا (۱) یہ وہی سواری ہے، جس سے آج کل کے یہاں دربھی قطب شمالی کی سر زمین کو طے کرتے ہیں۔

روس کے انتہائی شمال پر دریائے بیرنگ ہے، اس کا ذکر بیرونی نصیر الدین طوسی اور قطب الدین شیرازی نے کیا ہے، اور اس کا صحیح موقع بتایا ہے بیرنگ ایشیاء کی طرف آکر بحر الکالی میں مل جاتا ہے، اور شمال کی طرف اسی آہنائے بیرنگ کی پتلی سی لکیر شمالی امریکہ (کنادا) اور پرانی دنیا کے سچ میں حائل ہے، مسلمانوں کا علمی قدم اس سمت سے اس پتلی لکیر تک آکر رک گیا تھا، جہاں سے شمالی امریکہ محمد بن قسطنطیان کے پردہ میں چند قدم پر رہ گیا تھا (۲)

## انتہائی آبادی

مسلمانوں میں علم ہیئت اور ریاضی و جغرافیہ کا علم زیادہ تر یونان سے آیا تھا، خصوصاً بطیموس کی کتاب الجغرافیہ اور محسبٹی پر انہوں نے اپنی معلومات کی بیان کھڑی کی بطیموس نے خط استواء کو جو افریقہ سے گذرتا تھا، خلکی میں انتہائی آبادی قرار دیا، کیونکہ اس کے خیال میں گرمی کی شدت کی وجہ سے انسانی آبادی اس کے بعد ممکن نہیں تھی، اور اسی طرح طول میں انتہائی آبادی افریقہ کے پار بحر محیط کے چند جزائر کو قرار دیا تھا، جن کو اہل عرب ”جزائر خالدات“ کہتے ہیں، جس کا صحیح ترجمہ ”جزائر سعید“ یا مبارکہ

(۱) سفر نامہ ان بخطوط (۲) تقویم البلدان ابو الفضلاء ص ۵۲۵ و تذکرہ نصیر طوسی، تفصیل کیلئے دیکھو

میری کتاب عربوں کی جہا رانی ص ۱۱۳، ۱۱۶

ہے، جس کو بعض عرب اہل جغرافیہ اور اہل ہیئت نے اختیار کیا ہے، اور جو اصل میں لاطینی لفظ Fortunate کا مغرب ہے، اسی یونانی لفظ کو المکری نے اپنے جغرافیہ میں قرطناش کے نام سے لکھا ہے، اس سے مقصود جزر کنیری (Canarie) ہیں، عام طور سے مشرقی اہل ہیئت و جغرافیہ ان کو مفقود اور پانی میں غرق سمجھتے ہیں، مگر مغربی جغرافیہ نویس اس سے پوری طرح واقف تھے، ابو عبید عبداللہ بن عبد العزیز المکری انہیں 1097ء 487ھ لکھتا ہے،

”اور بحر محيط میں طنجہ کے مقابل اور کوہ ایڈل کے سامنے وہ جزیرے ہیں جن کا نام قرطناش یعنی ہیشہ سر سبز رہنے والے (سعیدہ) جزائر سعادات (خالدات) ہیں ان کا یہ نام اس لئے پڑا کہ ان کی پہاڑیاں قسم قسم کے میوہیں اور خوشبو دار پھولوں سے معمور ہیں، یہ میوے اور پھول لگائے بغیر خود خود اگتے ہیں، ان کی زمینیں گھاس کے جائے معطر پھولوں سے آباد ہیں اور وہ ببلاد بربر کے مغرب میں دریائے مذکور میں متفرق طور پر واقع ہیں۔<sup>(۱)</sup>

دوسری طرف انتہائی آبادی جزیرہ طولی کوہتا تھے ہیں، جس کو برتانیہ کے اطراف میں اب عام طور پر آئیں لینڈ کہا جاتا ہے۔

## زمین گول ہے اور جذب و کشش سے قائم ہے

اس مسئلہ سے بھی اہل عرب واقف تھے کہ زمین گول ہے اور جذب و کشش کے اصول پر قائم ہے، کسی بہل کے سینگ یا ستون یا پہاڑ کی پشت پر یہ گیندر کھا ہوا نہیں ہے، انہیں ٹردائیں 300ھ کہتا ہے۔

زمین کی شکل گول ہے جیسے گیند جو فضائے آسمانی میں اس طرح رکھا ہوا ہے، جیسے

(۱) المغرب في ذكر بلاد افريقيه للمکری ص ۹۰۶ الچیرا

اٹھے کے اندر زردی اور ہلکی ہوا، (نیم) زمین کے چاروں طرف ہے اور وہ چاروں طرف سے کشش کر رہی ہے، آسمان تک اسی طرح مخلوقات کے اجسام زمین پر ہیں کہ وہی نیم ان کے بد نوں پر جو بلکاپن ہے، اس کو کشش کرتی ہے اور زمین اس کے ثقل کو کھینچتی ہے کیونکہ زمین مثل اس پتھر کے ہے، جس کو لوہا کھینچتا ہے، (یعنی مقناطیس (۱)) اس عبارت میں زمین کی گولائی اور جذب و کشش کے علاوہ جس حقیقت کو نیم جیسی ہلکی پھلکی ہوا سے لا کیا گیا ہے، آج آپ اس کو بے تکف "ایتھر" کہتے ہیں، نویں صدی کے آخر کا عرب جہاز راں ان ماجد مقناطیس کے بیان میں کہتا ہے۔

وقيل إنَّ السَّبْعَ السَّمَاوَاتِ وَ  
قدرات کے مقناطیس سے متعلق ہے  
الارض معلمات بمقناطیس

القدرة

جذب و کشش کے مسئلہ کو اہل جغرافیہ کے علاوہ دوسرے حکماء اسلام نے بھی بیان کیا ہے، مگر اس وقت ہمیں اس سے حدث نہیں، زمین کو گول تو تمام حکماء اسلام نے تسلیم کیا، مگر مجھے اس دعویٰ پر وہ استدلال چیز کرنا ہے، جو اہل جغرافیہ کے قلم سے لکھا ہے، ان رستہ 277ھ تیری صدی ہجری میں تھا، وہ زمین کے گول ہونے پر ستاروں کے طلوع و غروب اور ظہور و غفا سے اس طرح محققانہ حدث کرتا ہے،

"تمام اہل علم نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ زمین اپنے تمام اجزاء کے ساتھ خشکی و تری کی گیند کی طرح ہے، اور دلیل یہ ہے کہ سورج چاند اور کل ستاروں کا طلوع و غروب زمین کے تمام کناروں میں ایک وقت نہیں ہوتا بلکہ مشرقی مقامات میں ان کا

(۱) کتاب الملائک و الملائک ص ۳ نیڈن

طلوع، مغربی مقامات سے پہلے ہوتا ہے، اور ان کا غروب مشرقی مقامات پر مغربی مقامات سے پہلے ہوتا ہے، اور یہ حادثہ فلکی سے ظاہر ہے جو آسمان میں ہوتے ہیں، تو ایک ہی حادثہ زمین کے تمام اطراف میں مختلف مقامات میں ہوتا ہے، جیسے چند رگر ہن کہ اگر ایسے دو مختلف شرود میں ان کو رصد کیا جائے، جو ایک مشرق میں ہو، اور دوسرا مغرب میں، تو مثلاً اگر مشرقی چند رگر ہن کا وقت رات کے تیرے گھنٹے میں ہو تو..... (الن رستہ ص 12)

زمین کی گولائی پر آج کل جہاز دن کے اولاً مستول پھر آہتہ بڑھتے بڑھتے پورا جہاز نظر آنے سے جو استدلال کیا جاتا ہے، اس سے بھی وہ واقع تھے، مسعودی لکھتا ہے۔

”اور جہاز جب سمندر کے قیچی میں ہو گا تو دیاوند کے پہاڑ غائب ہو جائیں گے، اور نظر نہیں آئیں گے اور جب دریا میں سو فرغ کے قریب رہ جائے گا تو ذرہ سا پہاڑ کا سر انظر آئے گا، اور جیسے جیسے ساحل کے نزدیک ہوتے جائیں گے، پہاڑ اپنا ہوتا جائیگا اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ سمندر کا پانی گول شکل پر ہے، اور یہی بحر روم میں حال ہے، یہ شام کے پہاڑ جو انطاکیہ اور لاذقیہ اور طرابلس اور جزیرہ سا پرس کے ساحل پر ہیں کہ جہاز میں نگاہوں سے پوشیدہ رہتے ہیں اور ساحل کے قریب آتے ہوئے آہتہ آہتہ نظر آتے ہیں“

(مروح اللہ بہ جلد 1 ص 195 ہر س)

ابو بکر ان الفقیہ ہدایت 290ء اپنے جغرافیہ کتاب البلدان میں لکھتا ہے، ”کہتے ہیں کہ سمندر بھی گول ہے، اور دلیل اس کی یہ ہے کہ جب تم ساحل سے قیچی سمندر میں چلتے جاؤ تو ساحل کے پہاڑ اور درخت آہتہ تماری نظر سے غائب ہونے لگیں گے، پھر جب تم قیچی سمندر سے ساحل کی طرف آؤ تو وہ آہتہ آہتہ پھر

دکھائی دینے لگیں گے۔“

(ص 153-لیذن)

یہ دلیل بعینہ وہی ہے جو آج بھی زمین کی گولائی پر عام طور سے پیش کی جاتی ہے،  
زمین کے فو قانی اور تھقانی حصے اور رات اور دن

ہر چند کہ یہ مسئلہ عربی علم بیت میں آفتاب کے دور اور حرکت کے سلسلہ  
میں عام طور سے نہ کوہے لیکن زمین کے تھقانی اور فو قانی حصوں کی تخصیص کے ساتھ  
ذکر کرنے میں بے توجی کی گئی ہے، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مسلمان اس  
مسئلہ وہی سے واقف نہ تھے، تیری صدی ہجری کا مصنف انہ رستہ اپنی کتاب الاعلاق  
النفسیہ کے مقدمہ میں شب و روز کے چوپیس گھنٹوں اور جاڑا اگری میں روز و شب کے  
گھنٹے اور بردا ہنے کا ذکر کر کے لکھتا ہے۔

کونک نصف زمین میں ہمیشہ دن رہتا ہے،  
اور دوسرے نصف میں اندر ہیری رات اور  
یہ شب دروازہ زمین پر گردش میں ہیں۔

لا ن نصف الارض ابدانہار  
مضی و نصفها لیل مظلوم  
یدوران علیہا،

(ص 9 لیذن)

چو تھی صدی کے آغاز کا مصنف مسعودی مروج الذہب میں اس کی تشریع  
ان الفاظ میں کرتا ہے،

”زمین کی آبادی کا آغاز جزائر خالدات سے شمار کرتے ہیں، جو مغربی  
بحر او قیانوس میں واقع ہیں، یہ چھ آباد جزیرے ہیں، اور آبادی کی انتتاء چھین کی انتتائی  
آبادی پر ہے، ان دونوں کے درمیان 12 گھنٹوں کی مسافت ہے، اس سے معلوم ہوا  
کہ آفتاب جب چھین کے انتتائی حصہ میں ڈوبے گا تو ان جزیروں میں جن کا ذکر ابھی ہوا،  
اور جو مغربی بحر او قیانوس میں واقع ہیں؟ دن ہو گا، اور جب ان جزیروں میں رات ہو

گی، تو اتصالے چین میں دن ہو گا، اور یہ زمین کا نصف دائرہ ہے اور وہی آبادی کا طول ہے، جس سے وہ واقف ہوئے ہیں۔

(ج اص 180 چیرس)

### کره ارض کے دوسری جانب آبادی

ریح مسکون کا نظریہ ثبوت جانے کے بعد کہہ ارض کی دوسری جانب آبادی کا تخلیل بہت قریب ہو گیا، یہ تخلیل قدیم سے قدیم تیری صدی ہجری کے عرب جغرافیہ نویسوں میں ملا ہے ان خرواڑہ المتنی 300ھ اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے۔

الآن العمارة في كرة الأرض  
بعد خط الاستواء أربع و .  
عشرون درجة ثم الباقي قد  
عمر البحر الكبير فحن على  
الربع الشمالي من الأرض  
والربع الجنوبي خراب لشدة  
الحرفية والنصف الباقي الذي  
تحتنا لاساكن فيه

(ص 5۔ لیذن)

اس اقتباس کا آخری فقرہ قابل التفات ہے کہ وہ زمین کی دوسری جانب کو م از کم خشک اور آبادی کے قابل سمجھتا ہے گواں کی آبادی کا اس کو کوئی علم نہیں، اس کے بعد اسی کے ایک اہم عصر ان رستہ 277ھ کے قلم سے عجیب و غریب حقیقت تراویش ہو گئی ہے، وہ غلطی کے ساتھ اس قدر تسلیم کرتا ہے۔

اور آدمی نصف شمالی میں آباد ہیں جو اور  
ہنات النعش کے بیچ میں، اور وہ سات  
اکیلوں پر منقسم ہے اور باقی حصہ غیر  
آباد ہے، اور نصف جنوبی میں جس کو  
خدا چاہے اپنی مخلوقات سے آباد  
کرے۔

وَإِنَّ النَّاسَ نَزَلُوا فِي  
النَّصْفِ الشَّمَالِيِّ بَيْنَ الْقَبَةِ  
وَبَنَاتِ النَّعْشِ وَذَلِكَ  
مَقْسُومٌ عَلَى سَبْعَةِ أَقَالِيمٍ وَ  
بَاقِي ذَلِكَ غَيْرَ مَسْكُونٍ  
وَيَنْزَلُ فِي النَّصْفِ الْجَنُوبِيِّ  
مَنْ شاءَ اللَّهُ مِنَ الْخَلْقِ  
(الاعلاق النفسية ابن رستہ ص ۹  
(لیذن)

ابن رستہ ربع شمالی کے جائے نصف شمالی کی آبادی کا قائل ہے، اور جنوب کی  
نسبت مشتبہ ہو کر کہتا ہے "وہاں اپنی طبق میں سے جس کو چاہے ہمائے" یہ پیشگوئی  
اکشاف امریکہ سے پوری ہوئی،  
بیرونی، نصیر طوسی، قطب الدین شیرازی اور ان کے تلامذہ کے سوال  
وجواب اور رد و اعتراض سے لوگوں میں یہاں تک ہوتی ہوئی کہ طوایع الافتخار کے  
مشہور مصنف اور ابن فضل اللہ العمری (مسالک الابصار فی حماکۃ الامصار کے مصنف)  
کے استاد ابوالثنااء محمود بن اہل القاسم اصفہانی المتوفی ۷۴۹ء ۱۳۴۷ھ نے اس نظریہ  
کے پیش کرنے کی جرات کی۔

لا امنع ان یکون مالنکشف میں اس کو ممکن سمجھتا ہوں کہ ہماری طرف

زمین کا جو حصہ کھلا ہے، وہ دوسری طرف سے بھی کھلا ہو، اور اس کو بھی ممکن کتنا ہوں کہ اس میں بھی وہی حیوان، نبات اور معدنیات ہوں جیسے ہمارے حصہ میں ہیں، یا اور دوسرے قسم کے ہوں

عَنْهُ الْمَاءُ مِنَ الْأَرْضِ مِنْ  
جِهَتِنَا مُنْكَشِفًا مِنَ الْجَهَةِ  
الْأُخْرَوِيِّ وَلَا أَمْنَعَ إِنْ يَكُونَ  
بِهِ مِنَ الْحَيْوَانِ وَالْبَنَاتِ  
وَالْمَعَادِنِ مُثْلِ مَا عَنَدَنَا أَوْ مِنْ  
إِنْوَاعِ الْحَيْنَانِ أُخْرَى  
(مساک الامداد جلد اس 31 ص)

اس سے زیادہ تقریب اور کیا ہوگی؟ اسی لئے شاید ان فضل اللہ نے ریح کے  
جائے نصف ارض کو مکشوف قرار دیا

اور پانی نصف زمین کو چاروں طرف سے  
کمر بند کی طرح گھیرے ہوئے ہے، زمین کا  
آواہائی حصہ کھلا ہے، اور یہ وہی ہے، جس  
پر آفتاب دائرة النہاد میں پھرتا ہے، اس کی  
مثال اس اثنے کی ہے جو پانی میں ڈوبتا ہو،  
تو اس سے کمل جاتا ہے جو کمل جاتا ہے اور  
ڈوب جاتا ہے جو ڈوب جاتا ہے۔

وَالْبَحْرُ مُحِيطٌ بِنَصْفِ الْأَرْضِ  
أَحاطَةً مُتَصَّلَةً دَائِرَةً بِهِ  
كَالْمَنْطَقَةِ لَا يُظْهِرُ مِنْهَا  
الْأَنْصَافَهَا وَهُوَ مَادَارَتْ عَلَيْهِ  
الشَّمْسُ فِي قَوْسِ النَّهَارِ مُثْلِ  
بِيضةِ مَغْرِقَةِ فِي مَاءٍ، اِنْكَشَفَ  
مِنْهَا مَا اِنْكَشَفَ اِنْغَمَرَ مَا  
انْغَمَرَ“

(مساک الامداد ص 30 جلد 1)

لیکن اس سلسلہ میں صحیح بات وہ ہے، جو بیرونی نے اس سے تین سوریں

پیشتر کی تھی کہ اس قسم کے امور استدلال نہیں بلکہ مشاہدہ پر مبنی ہیں۔

اس فن کے عالموں نے دو شانی رہوں میں سے ایک رنج کو آبادا ہا ہے "اس لئے نہیں کہ اس کا کوئی طبی سبب ہے، کیونکہ زمین کے ہر طرف ہوا کامزاج یکساں ہے لیکن بات یہ ہے کہ اس قسم کے معلومات کسی ثقہ کی خبر اور اطلاع پر منبni ہوتی ہیں، اس لئے آباد حصہ چوتھائی ماننا ظاہر درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس نظریہ کو اس وقت تک مانا جائے، جب تک کسی نئی اطلاع سے اس کی تردید نہ ہو جائے۔

جعلوا العمارة في أحد  
الربعين الشهالين لا ان ذلك  
موجب امر طبيعي فمزاج  
الهواء واحدلا يتباين ولكن  
امثاله من المعارف موكول  
إلى الخبر من جانب الثقة  
فكان الرابع دون النصف هو  
ظاهر الامر والا ولی باع  
یوخذ به إلى ان یرد خبرة  
خبر طاری -

(تقویم البلدان ابو الفداء ص ۱۱)

ان علماء کو اپنے استدلال و جواب و سوال میں مصروف رہنے دیجئے، اور آئیے دوسری طرف ان جاہل جمازوں کی کوششوں پر ایک نگاہ ڈالیں، جو اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال کر بحر ظلمات کی شناوری میں مصروف ہیں۔

## ماورائے بحر ظلمات

عرب کے بے آب ریگستان سے اسلامی فتوحات کا جو سیلاں چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں اٹھا تھا وہ ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں افریقہ و مغرب اقصیٰ اور اندر لس کے صحراؤں اور میدانوں سے گذر کر بحر ظلمات کے ساحل پر آکر رکا، مگر

بلند ہست عرب کشور کشاوی کی ہست اب بھی اس فطری روک کے پاس آکر کم نہ ہوئی،  
مغربی اقصیٰ کے فاتح عقبہ نے بحر ظلمات کے پانی میں گھوڑا کھڑا کر کے کما کر۔

”خداوند! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس کے بعد بھی تیرا کوئی ملک ہے تو میں  
ذوالقرنین کی طرح وہاں بھی تیری توحید کی دعوت لے کر جاتا!!

(الموسی فی اخبار تونس ص 28)

اندلس کا فاتح طارق فتح کرتا ہوا آگے بڑھتا جاتا ہے، اس کا آقا موسیٰ اس کو  
روکتا ہے وہ جواب دیتا ہے کہ جب تک بحر محیط کی دیوار ہمارے قدم نہ روک لے گی ہم  
آگے بڑھتے جائیں گے (۱)

ماوراء بحر ظلمات سفر کا تخیل عربوں اور مغربی و افریقی مسلمانوں میں  
ذوالقرنین کے قصہ کے سلسلہ میں پیدا ہوا یہ کمالی اتنی پچھلی کہ علم بیت کی کتابوں  
تک میں درج ہے، کہتے ہیں کہ ذوالقرنین نے ملک مغرب میں پہنچ کر اپنا جہاز بحر  
ظلمات کی تحقیق حال کے لئے روانہ کیا وہ اس پار کے ایک جہاز کو گرفتار کر کے لے آیا،  
جس پر ماوراء بحر ظلمات کے کچھ باشندے سوار تھے، ذوالقرنین نے ان سے ان کے  
ملک کا حال دریافت کیا، رصد گاہ مرانہ کا عالم بیت شارح چغمی اس قصہ کی طرف  
اشارہ کر کے کرتا ہے،

”یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے اور ان کے درمیان میں بڑے بڑے دریا اور اونچے  
اوپنے پہاڑ اور صحرا کی حائل ہوں، جو ان کی خبر ہم تک نہیں آنے دیتے، ہاں دو جنوبی  
ربوں میں سے ایک میں کچھ آبادی بیان کی جاتی ہے، اور وہ جو ذوالقرنین کے زمانہ کا قصہ  
بیان کیا جاتا ہے، وہ بظاہر بے اصل معلوم ہوتا ہے“

(مقالہ ثانیہ فی بیان الارض)

لیکن اس قسم کی کمائنیوں کی تعداد روز بروز بڑھنے لگی، چنانچہ اچین و افریقہ کے سواحل میں مغدورین اور مفترین (فریب خورده) کے نام سے ایک جماعت ہی قائم ہو گئی، جو اپنے کو مصیبتوں میں ڈال کر اس بحرِ محيط کے سفر کے لئے روانہ ہوتی تھی، پھر وہ اس میں فنا ہو جاتی تھی، یا کامیاب واپس آتی تھی۔

تیسرا صدی کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے شروع (نویں صدی عیسوی کے آخر اور دسویں صدی عیسوی کے شروع) میں مسعودی اپنی مردوں جن الذہب میں اس قسم کے واقعات کے لئے اپنی دوسری تصانیف کا حوالہ دیتا ہے۔

اور ہم نے اپنی کتاب اخبار الزماں میں اور ان لوگوں کے حالات میں ان واقعات کو بیان کیا ہے، جنہوں نے اپنے آپ کو فریب دیا اور اپنے آپ کو جان جو کھوں میں ڈالا، اور ان سے جو چاہو اور جو بلاک ہوا، اور انہوں نے جو دیکھا اور مشاہدہ کیا۔

وَقَدْ أَتَيْنَا عَلَى ذِكْرِهِ  
كَابِنَا فِي اخْبَارِ الزَّمَانِ وَفِي  
اخْبَارِ مِنْ غَرْرٍ وَخَاطِرٍ بِنَفْسِهِ  
وَمَنْ نَحَا مِنْهُمْ وَمَنْ تَلَفَّ  
وَمَنْ شَاهَدَ وَامْتَهَنَهُ وَمَارَأَوَا

اس کے بعد کرتا ہے،

اور ان میں اندلس کے رہنے والوں میں سے ایک شخص تھا، جس کو بخشاش کہہ کر پکارا جاتا تھا، وہ قرطبه کے نوجوانوں میں سے تھا، اس نے قرطبه کے اور نوجوانوں کی ایک جماعت ہائی، اور ان کو لے کر ان کشیوں پر سوار ہوا، جن کو اس نے بحرِ محيط

وَإِذَا مِنْهُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ  
الْأَنْدَلُسِ يُقَالُ لَهُ خَشَخَاشٌ  
وَكَانَ مِنْ فِتَيَانِ قَرْطَبَةِ وَاحِدًا  
فَجَمَعَ جَمَاعَةً مِنْ أَهْلَادِهِ  
وَدَكَبَ بِهِمْ مَوَاكِبَ

میں اس غرض کے لئے تیار کھا تھا، ایک  
زمانہ تک عاتب رہا، پھر بہت سامال نیست  
لے کر لوٹا، اس کا واقعہ اندلس والوں میں  
بہت مشور ہے۔

استعدھافی هذا البحر المحيط  
فغاب فيه مدة ثم اثنى بغنائم  
واسعة وخبره مشهور

### عندأهل الاندلس

(ج ا۔ ص 158۔ جیرس)

اور یہی التوفی 560ھ نہہۃ المشاق میں اندلس کے جغرافیہ میں تین موقعوں  
پر ان مغوروں یعنی فریب خورده جہاز رانوں کا ذکر کیا<sup>(۱)</sup> ہے یہ بھی لکھا ہے کہ امیر  
اسلمین علی بن یوسف بن تاشقین کے امیر الحرام بن عمر معروف بہ رقم الاذر (نقش بط)  
نے بحر ظلمات کے ایک جزیرہ پر فوج کشی کی تھی، مگر کامیابی سے پسلے ہی وہ مر گیا۔

اور یہی ایک موقع پر بحر ظلمات کے ذکر میں لکھتا ہے،

”اس بحر ظلمات کے پیچھے جو کچھ ہے، اس کو کوئی نہیں جانتا“ اور نہ کسی آدمی کو  
صحیح واقفیت ہے، کیونکہ اس کو عبور کرنا سخت مشکل ہے، اس کی فضائیں بڑی تاریکی اور  
اوہ کی موجودی نہایت سخت اور اس کے خطرات بہت، اور اس کے جانور خطرناک اور  
اس کی ہوا ائمیں یہ جان انگیز ہیں، اس میں بہت سے جزیرے ہیں، کچھ آباد، کچھ سمندر کے  
اندر اور کوئی جہاز راں اوس کو عرض میں قطع نہیں کرتا اور نہ اس میں گھتا ہے البتہ اس  
کے ساحل کے طول کے کنارے کنارے اس سے لگ کر چلتا ہے<sup>(۲)</sup>۔

اب بحر ظلمات میں یہ کون سے جزیرے ہیں؟ کیا امریکن جہاز رویسٹ انڈرین  
نیو فاؤنڈ لینڈ، گرین لینڈ وغیرہ ہو سکتے ہیں۔

بیشونہ (بسن ساحل پر نکال) کے ذکر میں اور یہی ان، فریب خورده جہاز را انوں کا ایک دلچسپ قصہ سناتا ہے، بتاتا ہے!

اور اسی شر بسمن میں فریب خورده لوگ اس لئے بحر ظلماں میں سوار ہوئے تھے تاکہ پتہ لگائیں کہ اس میں کیا ہے، اور کہاں جا کر ختم ہوتا ہے، شر بسمن میں ایک پھانک یا گلی (درب) ہے جس کا نام فریب کھانے والوں کا درب ہے، اور ان کا قصہ یہ ہے کہ آٹھ آدمیوں نے جو آپس میں سب بچا کے بیٹے تھے، بار برداری کا ایک جہاز بنایا اور اس میں پانی اور تو شہ اتنا کھل لیا، جو مینوں کے لئے کافی تھا، پھر اس جہاز میں سوار ہو کر ایک مناسب موسم میں روانہ ہوئے گیارہ دن کے بعد ایک ایسے پانی میں پہنچے جو سخت موجود والا تھا، وہاں کی ہوانیں مکدر تھیں، روشنی ماند تھی، انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب ہلاکت قریب ہے، تو اپنے بادبانوں کو دوسرا ہاتھ کی طرف پلٹ دیا، اور سمندر میں جنوب کی طرف چلتے رہے، اور بکریوں والے ایک جزیرہ میں پہنچ گئے، وہاں بے شمار بجڑیاں تھیں جن کو کوئی پکڑنے والا یا چرانے والا نہ تھا، وہ جزیرے میں اترے، وہاں چشمہ ملا، اور جنگلی انحصار، انہوں نے ان بکریوں میں سے کچھ کو ذبح کیا تو ان کا گوشت بہت ہی کڑوانکلا جس کو وہ نہ کھا سکے اور ان کی کھالیں لے لیں، اور جنوب کی سمت میں 12 دن اور ہڈے اور چلے، اور ان کو ایک جزیرہ ملا، جہاں آبادی اور کھیقی تھی، تو وہ اس جزیرہ کو دیکھنے چلے، ابھی کچھ ہی دور چلے تھے، کہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں نے ان کو گھیر لیا، اور ان کو پکڑ کر جہاز ایک ساطی شر کی طرف لے گئے، وہاں ایک گھر میں جا کر اتنا، وہاں سرخ رنگ (اشقر) کم لیکن سیدھے بال والے بے قد کے آدمی دیکھے ان کی عورتوں میں عجیب خوبصورتی تھی تو وہ لوگ تین دن ایک گھر میں قید رہے، چوتھے دن ان کے پاس ایک آدمی آیا، جو عربی میں باتیں کرتا تھا، اس نے ان کا حال دریافت کیا، اور پوچھا کیوں آئے اور کہاں سے آئے، اور تمہارا وطن کہاں ہے، انہوں نے اپنا پورا حال بتایا، اس نے ان

سے بھلائی کا وعدہ کیا، اور بتایا کہ وہ بادشاہ کا ترجمان ہے، دوسرے دن ان کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا، اس نے ان کا حال پوچھا تو وہ بتایا جو کل ترجمان کو بتاچکے تھے کہ وہ اس سمندر میں اس لئے گھسے تھے کہ دیکھیں اس میں کیا کیا عجائب ہیں، اور اس کے حالات کیا ہیں، اور اس کی حد دریافت کریں یہ سن کر بادشاہ ہنسا اور ترجمان کے ذریعہ سے ان کو بتایا کہ اس کے باپ نے اپنے غلاموں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سمندر کے عرض میں ایک مہینہ تک چلتے رہیں، مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا، اور وہ ناکام واپس آئے، پھر بادشاہ نے ترجمان سے کہا ان سے بھلائی کا وعدہ کرے، اور بادشاہ کے ساتھ ٹھن پیدا کرے، اس نے ایسا ہی کیا، پھر وہ اس قید خانہ میں لے آئے، یہاں تک کہ وہ موسم آیا، جب پچھوا ہوا چلتی ہے، تو ان کو ایک کشتی میں بٹھا کر اور آنکھوں پر پیالا باندھ کر ایک مدت تک سمندر میں چلاتے رہے، ان کا گماں ہے کہ تین دن تین رات وہ چلتے ہو گئے، یہاں تک کہ وہ ایک نشکنی میں پسخانے گئے، وہاں ان کی مشکلیں کسی گئیں، اور ساحل پر چھوڑ دیئے گئے، یہاں تک کہ دن نکلا اور روشنی ہوئی اور ہم بندھے ہونے کے سبب سے سخت تکلیف اور بدحالی میں تھے، پھر ہم نے لوگوں کی آوازیں سنیں - چینے تو وہ لوگ پاس آئے اور مشکلیں کھولیں اور ہمارا حال دریافت کیا، ہم نے بتایا، یہ لوگ برادر تھے، ان میں سے ایک نے کہا تم جانتے ہو کہ تمہارے وطن کا یہاں سے کتنا فاصلہ ہے، انہوں کی بھلکا نہیں، انہوں نے کہا دو مہینوں کی مسافت یہ سن کر ان فریب خور وہ جہاز رانوں میں سے ایک کی زبان سے والا اسٹلی (ہائے افسوس) نکل گیا، تو اس مقام کا نام اسٹلی پڑ گیا اور وہ مغرب اقصیٰ کے بعد رگاہ کا نام ہے (۱)

جزئی اغلوط اور دنوں کے اندازہ سے قطع نظر کر کے کیا ہم اس مقام کو جمال تک یہ فریب خور جہاز را پہنچے تھے، شمالی امریکہ کا کوئی گوشہ سمجھیں، اور سرخ رنگ

کے انسان وہی تو نہیں، جن کا ہام غلطی سے ریڈ ائٹ نہیں (لال ہندوستانی) رکھ دیا گیا  
ہے، جو وہاں کے اصلی باشندے ہیں،

انہن خلدوں التوفی 808ھ آٹھویں صدی میں بحر محیط کے ایک سفر کا حال  
لکھتا ہے جس میں ال فرینگ کے چند جہاز بحر محیط کے کسی جزیرہ میں اتفاق پہنچ گئے تھے،  
چونکہ بحر محیط کے اندر یا انتہا پر جزائر خالدات کے علاوہ کوئی اور نام معلوم نہ تھا، اس لئے  
اس کے اندر کی ہر آبادی کو اور خلکی کو جزائر خالدات کہہ دیتے تھے، چنانچہ وہ مقدمہ  
میں کرتا ہے،

"بحر محیط میں بہت سے جزیرے ہیں، جن میں تین بڑے اور مشہور ہیں، اور  
کما جاتا ہے کہ وہ آباد ہیں اور ہم کو بخوبی معلوم ہوئی ہے کہ اس صدی (آٹھویں صدی  
بھری چودھویں صدی عیسوی) کے حق میں ال فرینگ کے چند جہاز اور ہر سے گزرے،  
اور انہوں نے وہاں لوٹ مار کی، اور وہاں کے کچھ باشندوں کو پکڑ لائے اور مرکاش کے  
سواحل پر ان کو چھپا، اور وہاں سے وہ سلطان کے پاس پہنچے، جب ان لوگوں نے عربی سیکھ  
لی، تو انہوں نے اپنے جزیرہ کا حال بتایا کہ وہ کاشت کاری کے لئے زمین سینگ سے  
کھودتے ہیں، ان کے یہاں لوہا نہیں ہے، جو کھاتے ہیں، اور ان کے مویشی بھیزیں  
ہیں، اور لڑائی میں پتھر کے ہتھیار استعمال کرتے ہیں، اور آفتاب کو پوچھتے ہیں۔  
اس کے بعد ان خلدوں کرتا ہے، اور صحیح کرتا ہے۔

ولا یوقف علیٰ مکان هذه  
ان جزیروں کا صحیح پتہ نہیں معلوم، اتفاقاً وہ  
مل جاتے ہیں، اور بالا را وہ نہیں ملتے،  
الجزائر لا بالعشور لا بالقصد

اليها (۴۵)

اس کی وجہ یہ ہوتا ہے کہ جہاز ہوا کارخ جانے اور ستاروں کی سمت معلوم

کرنے سواحل کے بھری نقشوں کی مدد سے چلتے ہیں،

وہذا کله مفقود فی البحر اور یہ تمام مسلمان بحر محيط میں مفقود ہیں

المحيط (صف 45)

اسی لئے جہاڑاں کے بیچ میں ہو کر نہیں چلتے، یونکہ اگر سواحل کا منظر آنکھوں سے دور ہو جائے تو واپس آنے کی راہ کا بہت کم پتہ چلتا ہے، ساتھ ہی اس سمندر کی فضاء میں اس کے پانی کی سطح پر اتنے خارات رہتے ہیں جو جہاڑوں کو چلنے نہیں دیتے، اور آفتاب کی روشنی پہنچنے نہیں پاتی، اسی لئے اس میں راہ پانا اور اس کا معلوم ہونا مشکل ہے۔  
(مقدمہ ص 45)

ان تمام قصوں کو ممکن ہے کہ دلچسپ کمانیوں ہی کی صورت میں تسلیم کیا جاتا لیکن آج کل امریکہ کے کو لمبس کی دریافت کی جو تنقیدی تاریخیں لکھی جا رہی ہیں انہوں نے ان کمانیوں کو سنجیدہ تاریخ بنا دینے کی سند پیدا کر دی ہے۔

## نئی تحقیقات

امریکہ کے اکٹھاف کی جو تنقیدی تاریخیں و قاومتی لکھی گئی ہیں، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نئی اور پرانی دنیا میں کو لمبس سے پہلے سے تعلقات قائم تھے، ان تعلقات کی تغیریں میں کون کون سی قوموں نے حصہ لیا، اس کی دریافت تاریخی اور اشیٰ ذریعوں سے اب تک کی گئی تھی، لیکن ابھی حال میں یارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر لیوڈنیر کی ایک کتاب تین جلدیوں میں شائع ہوئی ہے، اس کا نام "افریقہ اور امریکہ کی دریافت" ہے، اس میں نمایت واضح طور سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کو لمبس امریکہ کا پہلا دریافت کرنے والا ہرگز نہیں، موصوف نے امریکہ میں پرانی آنے والی قوموں کی

دریافت کا ایک نیاطریقہ اختیار کیا ہے، انہوں نے امریکہ کے پرانے باشندوں کی اصلی زبان کی فیلاؤ جیکل تحقیقات کے ذریعہ سے یہ پتہ لگایا ہے کہ امریکہ کے باشندوں کی پرانی زبان و قاتفو قماں کن کن زبانوں سے مانوس و متاثر ہوتی رہی ہے، وینیر صاحب چھپیں، انہی زبانوں میں آسانی گنتیگو کر سکتے ہیں، اور امریکہ کی پرانی زبان کے بڑے ماہر ہیں، اس کتاب کا غلاصہ انگریزی رسالہ، "ورلڈ ٹوڈے" فروری 26ء میں چھپا تھا، جس کا اعتراض المقطف اگست 26ء میں اور دو ترجمہ معارف اگست 1927ء میں طبع ہوا۔ وینیر کی تحقیقات کا حیرت انگیز نتیجہ یہ تکا ہے کہ امریکہ کی اصلی زبان میں انگریزی فرانسیسی، ہسپانی اور پرتگالی زبانوں سے بہت پہلے جس زبان کے الفاظ ہیں، وہ عربی زبان ہے، یہ الفاظ ان کی تحقیق کے مطابق 1290ء کے قریب اس میں داخل ہیں اور کو لمبس نے امریکہ کی دریافت کا شور اس کے ٹھیک دوسرا بس بعد چکایا ہے، وینیر نے کاغذی دستاویزوں سے ثابت کیا ہے کہ کو لمبس سے پہلے بھر اوقیانوس میں تجارتی جہاز رانی ہوتی تھی، مگر تاجر و سوداگر باوشہوں کے ذر سے اپنی ان بھری مہموں کو چھپاتے تھے۔

کو لمبس کے خود ذاتی میانات بھی حقیقت کی پروہ دری کرتے ہیں، وہ امریکہ کے تیرے سفر سے واپسی کے بعد میان کرتا ہے کہ اسے وہاں زمگی سوڈائی باشندوں سے سابقہ پڑا، بمحض پہلے سفر کے بعد ہی وہ کہتا ہے کہ وہاں کے اصلی باشندوں نے اسے گنی (یعنی وہی مغربی افریقہ کے طلائی سکے جس کو ایک خاص مقدار میں تانبہ ملا کر بنا تے تھے) دکھائی دیئے "گونیس" اس وقت کی افریقہ کی زبان میں سونے کے ان نکڑوں کو کہتے تھے، جن کو شکل میں سونا ساحل گنی (غانہ) سے یورپ میں لا یا جاتا تھا، قدرتی طور پر سونے کے یہ نکڑے دیکھ کر کو لمبس تحریر ہو گیا، پسونکہ وہ دراصل اسی سونے، ہاتھی دانت اور قیمتی سامان کی تلاش میں یہاں تک آیا تھا، اس نے امریکہ کے باشندوں سے

دریافت کیا کہ انہوں نے وہ سونا کہاں سے پایا، اس کے جواب میں انہوں نے کہا "ہم نے یہ سونا کالے سوداگروں سے لیا ہے جو جنوب مشرق سے یہاں آئے تھے" کو لمبی کوگمان ہوا کہ وہ سونے کی اصلی کان بٹانے سے گریز کرتے ہیں، تیرے سفر میں اس نے پھر وہی سوال کیا، اور وہی جواب پایا اور آخر بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ پرانے امریکیوں کے جواب درست تھے، ابتدائی گوئیں جو فرانسیسی اور پرنسپالی گنی ساحل سے لاتے تھے خالص سونے کے نہیں ہوتے تھے بلکہ غانہ والے اس میں اسی کے برابر تائبہ طاویتے تھے، جب کو لمبیں کی لائی ہوئی گوئیں کا کیمیائی امتحان کیا گیا تو اس میں سونے اور تائبے کا وہی تناسب نکلا، جو غانہ (گنی) کے لائے ہوئے گوئیں میں تھا۔

یہ طلائی گنکوئے دراصل افریقہ ہی سے آئے تھے ایسے ہی جو جبشی اس کو وہاں ملے وہ افریقہ ہی سے آئے ہوں گے، جمازوں کے کپتاںوں کے ہر سفر سے پایا جاتا ہے کہ ان کے لئے خلاصی جبشیوں کی موجودگی ضروری تھی، وہ بطور ترجیح استعمال کئے جاتے تھے کو لمبیں بھی ان میں سے چند کو پسلے سفر میں ساتھ لے گیا تھا، امریکہ جا کر اسے معلوم ہوا کہ ایسے جبشی وہاں پسلے سے موجود ہیں، یہی وہ لوگ تھے جن کو جنوب مشرق کے سیاہ سوداگر کہا گیا تھا، انہی کے ساتھ غانہ کے سکے امریکہ پہنچتے تھے اور انہی کے ساتھ عربی الفاظ، عربی پودے اور عربی تہذیب وہاں پہنچتی۔

پسلے آئندہ قدیمہ کے ماہروں کا یہ تہمایاں تھا، اور اب زبانوں کے محقق بھی ان کے ساتھ مل گئے ہیں اور دونوں کا متفقہ دعویٰ ہے کہ امریکہ میں عربی تہذیب کا اثر کو لمبیں سے بہت پسلے پلایا جاتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ نئی دنیا افریقی عربی تہذیب سے بہت حد تک متاثر ہو چکی تھی،

امریکہ کی پرانی قوموں میں دو ممتاز نام ملتے ہیں "ازت" اور "ماہی" جو افریقہ کی عربی تہذیب کی حامل تھیں، معلوم نہیں ان کی اصلیت کیا ہے، مگر یہ نام صحیح عربی ناموں

کی تحریف معلوم ہوتی ہے، پہلا نام ازو ہے اور دوسرا نام معاویہ ہے ازو کی نسبت پلے ہم لکھے چکے ہیں (۱) کہ یہ لوگ ابتدائے اسلام میں عمان سے افریقہ اور مگا سکر کے بھری جماز راں تھے اور بیداری سے اپنے جماز بحر بر لبرہ میں چلایا کرتے تھے۔

ببر حال رسالہ نبی کو روئینیر کی تحقیقیں کا خلاصہ آگے ان الفاظ میں دیتا ہے،

”ازٹ اور ما یہ کہ تہذیب میں دراصل امریکہ میں افریقہ کی عربی تہذیب کی

نقليں تھیں“ اور ان کا زمانہ 1150 سے 1200ء تک قرار دیا جاتا ہے۔

ہم نے ”مغرورین“ کے سفر کا جوزمانہ لکھا ہے، وہ اسی کے قریب قریب ہوتا ہے، ”عربی تہذیب نویں صدی عیسوی میں اپنے معراج پر تھی اور 1100ء میں صحرائے اعظم کو عبور کر کے افریقہ کے مغربی مینڈنگو کا تجارتی صوبہ قائم کر چکی تھی، اس کے مقابل میں امریکہ کا صوبہ میچو کن<sup>(۱)</sup> تھا جو خلیج میکسیکو کے ساحل پر واقع تھا، عربی الفاظ کی آمیزش سب سے پلے میچو کن میں پائی جاتی ہے، اور وہ الفاظ مینڈنگو کی زبان میں ملتے ہیں، اور یہ امر خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ یہ الفاظ ایسے ہیں کہ جو ایک تجارتی کار نہ ہے یا سیاح استعمال کرتا ہے، مثلاً جادو، ادویہ، نہب اور نظام حکومت کے متعلق، یہ نتیجہ کہ مینڈنگو اور میچو کن کے درمیان آمد و رفت بھی لابدی ہے، ہر طرح تازہ تحقیقات سے اس کی تائید ہوتی ہے، ازٹ اور ما یہ کی تہذیبوں کا ایک لخت انحطاط اس کا ایک اور ثبوت ہے، چونکہ یہ ایک طرح کی نو خیز تہذیبیں تھیں، جس وقت ان کا اپنے اصلی مرکز سے قطع تعلق ہو گیا ان میں تنزل آنا شروع ہو گیا، یہ امر کہ یہ تعلق صرف تجارتی تھا، اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی تہذیب کا اثر میچو کن میں داخل ہو کر صرف تجارتی راستوں کے آس پاس ہی پایا جاتا ہے، اور یہ صرف خالص عربی کا اثر تھا، اگر مسڑوئینیر کی ان لسانی تحقیقات کے نتائج درست ہیں، تو ہم نے ان کی تصدیق کے لئے جو مقدمات گزشت صفحوں میں فراہم کئے ہیں وہ بھی قابل قبول ہیں۔

(۱) عربوں کی جماز رانی ص ۲۷۲ (۲) میکسیکو میں ایک ریاست براکال ریاسک سے متعلق ہے۔

## پرانے عربوں کی امریکہ میں آبادی

اس نظریہ کو سن کر لوگوں کا جاؤال تھا کہ اگر یہاں کو لمبس سے پہلے عربوں کی آمد و رفت تھی، تو امریکہ میں ان کے نشانات کیوں نہیں ملتے؟ اور ان کی کسی نو آبادی کا پتہ یہاں کیوں نہیں لگتا، مگر خدا کی قدرت یہ تھی کہ عین اس وقت جب یہ سطح تیز زیر تحریر تھیں، امریکہ کے عربی اخبار "الہدی" نے ایک نیا اکشاف دنیا کے سامنے پیش کیا، جس کی صدائے بازگشت سے دنیا گونج گئی، اور خود ہندوستان کے ارد و اخبارات نے اس کے اقتباسات دسمبر 1930ء میں شائع کئے، براعظم امریکہ میں وہاں کی مہذب بیاستوں اور متین ملکوں کے علاوہ بہت سے ایسے پہاڑی مقامات، جنگل اور گاؤں کی ہیں جہاں اس براعظم کے پرانے باشندے آباد ہیں اور جواب تک اپنی وہی پرانی قبائلی زندگی سر کر رہے ہیں لور جہاں تک کسی یورپین سیاح کے قدم نہیں پہنچے ہیں، خصوصیت کے ساتھ یہ مقامات میکسیکو کے علاقہ میں زیادہ ہیں، اخبارات راوی ہیں (۱)

"ایک شامی عرب تاجر میکسیکو کے چاپاک اور ہٹا سلا کے صوبوں میں پھیری کر کے سو، اگر کامال پہنچتا تھا، حال میں اتفاقاً اس کا گزر ایک کوہستانی علاقہ میں ہوا جہاں آمد و رفت جاری نہیں تھی، چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچا، وہاں ایک قبیلہ دیکھا، رات ہو چکی تھی، سو، اگر نے اپنی زبان میں ان جنگلی باشندوں سے شب بھر رہنے کی درخواست کی، اس کے جواب میں ایک شخص نے عربی میں کہا کہ ہم لوگ تمہاری بولی نہیں سمجھتے، عربی سو، اگر اس جنگل میں عربی زبان سن کر حیرت میں آگیا اس نے ان سے عربی میں گفتگو کی، اور انہوں نے کہا کہ وہ صدیوں سے اس جنگل میں آباد ہیں اور

(۱) المعلم دسمبر 1920ء والیاء مورخہ 27 شعبان 49 ہجری 12 مطابق 16 جنوری 1931ء

عربی کے سو اکوئی دوسری زبان نہیں جانتے۔“

سوداگر مذکور کا بیان ہے کہ یہ قبیلہ اب تک اپنے عربی رسم و رواج پر قائم ہے اور خالص عرب ہے، یہ خبر میکسیکو کی حکومت کو معلوم ہوئی تو اس نے ایک کمیشن اس عرب قبیلہ کی تحقیق حاصل کرنے کے لئے روانہ کیا ہے۔

یہ قبیلہ چار سو برس سے زیادہ سے یہاں آباد ہے، اور دوسرے ہمسایہ قبیلوں سے الگ تحفظ نہیں کرتا ہے۔

اس خبر سے جغا ایسہ نویسوں کے بیانات اندرس اور پر بھال کے عرب ”مشروین“ (فریب خورده جہاڑاں) کی تہائیوں میں تصدیق ہوتی ہے۔

اس سلسلہ کی اخیر خبر یہ ہے کہ لبنان کے میسالی فائلن افٹون یونیورسٹی ہمارہ نے جنہوں نے میکسیکو میں سکونت اختیار کر لی ہے، مصر کے اخباروں میں پچھلے سال یہ اطلاع شائع کی ہے اور جو الفتح مصر مورخ 30 جمادی الاولی 1354ھ میں 246 میں چھپی ہے کہ وہ میکسیکو میں اپنی زمین واقع ریو کرسی (میکسیکو) میں کھدائی کر رہے تھے، کہ ان کو دو معدنی نکلے ملے، جو تحقیق کے بعد عربی سکے ثابت ہوئے، اس دریافت کا وہاں کے علمی حلقوں میں بڑا چرچا ہے۔

### کو لمبیس اور امریکہ

یہ تحقیق تو الگ رہی کہ مشہور یوں ہی ہے کہ کو لمبیس پہلا شخص ہے جس نے اس دنیا کو پرانی دنیا سے ملایا مگر اس نے جو کچھ پایا اتفاقیہ پایا کہ یہ آگ لینے کو جائیں پیری مل جائے،

کو لمبیس ہندوستان اور چین کی تلاش میں تھا کہ امریکہ پہنچ گیا، کسی علمی استدلال سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا، اور بقول ایک اطالوی عالم ہیئت اور مستشرق کر لونلینو کے کہ ”کو لمبیس عربوں کی مقدار مسافت اور میل کے صحیح اندازہ کے نہ

جانے کی مبارک غلطی سے امریکہ پہنچ گیا، فاضل اطلاعی عالم کی اصل عبارت عربی کا ترجمہ یہ ہے،

”لاٹینی کتابوں کے عربی ترجموں کے ذریعہ سے مامور نے ایک درجہ فلکی کی پیاس کا جوانہ ازہ نکالا تھا یعنی 56 میل، وہ یورپ میں بھی مشور ہوا، اور جس طرح یونانی اور سریانی کتابوں کے عربی ترجمہ کے ذریعے سے یونانی میل کی مقدار نہ جانے سے الی عرب نے غلطی کی، اسی طرح چودہ ہویں صدی اور پندرہ ہویں صدی میں عربی میل کی صحیح مقدار نہ سمجھنے کے سبب سے الی یورپ غلطیوں میں بنتا ہو گئے، انہی میں کر شوفر کو لمبی امریکہ کا پتہ لگانے والا بھی تھا، اس نے ایک درجہ کے 56 میل کو لاٹینی 65 میل کو سمجھ کر مغربی یورپ اور ایشیا کے مشرق سواحل کی مسافت اس سے بہت کم سمجھی جو حقیقت میں ہے، اگر یہ غلطی نہ ہوتی تو بھی ممکن نہ تھا کہ مغربی یورپ سے او قیانوس میں چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھ کر صرف چند مینوں کی خوراک لیکر چین پہنچنے کا تخلیل کرتا۔ آخر اس سفر سے رک کروہ اس غلطی کی بدولت امریکہ کے جدید براعظم پہنچ گیا، جس نے ایک نئے انسانی دور ترقی کا آغاز کیا، یہ غلطی کیسی مبارک تھی، جس نے دنیا کو عظیم الشان فوائد سے مالا مال کر دیا۔<sup>(۱)</sup>

کو لمبی اس وقت ظاہر ہوا، جب الی اپین انگلی عربوں سے آخری لڑائی لڑ رہے تھے، اور ان کو اپنے ملک سے نکال رہے تھے، اس کا زمانہ اپین اور پر نگال میں گزر رہا، ایک معمولی سیاح سے جمازوں تک پہنچا، وہ ہیئت جغرافیہ اور سفر نامہ کی کتابیں پڑھا کر تھا، ایک اپینی خاتون سے شادی کی، اس ذریعہ سے اپین کے ایک عیسائی خانقاہ کے جغرافیہ داں راہب سے ملا، پھر اس کا پیشہ یہ ہو گیا کہ وہ جمازوں کے لئے

بھری نقشہ تیار کر کے فروخت کرتا تھا اور بھری مسافروں اور جہاز رانوں سے معلومات جمع کرتا تھا، عین اسی عربی اور اپنی لڑائی کے زمانہ میں وہ ملکہ اپنیں سے نئے جزیرہ اور نئے بھری راستوں کیلئے مدد کا طالب ہوا، اس زمانہ میں اپنیں اور پر بنگال کے سیاسی موروں (مسلمان عربوں) کو نہ صرف اپنیں بلکہ تمام سواحل و جزائر سے نکالنے کیلئے ہر طرف بھری بیڑے پھیج رہے تھے، سواحل بحر صحیط سے لیکر سواحل افریقہ سے یہاں تک کہ عرب اور ہندوستان کے سواحل تک سے عرب جہاز رانوں کو لا لڑا کر بنگال رہے تھے، اور ان سے بھری نقشہ حاصل کرتے تھے وہ سونے کی کان والے افریقی سواحل تک بھی گیا تھا، جہاں افریقی اور زمگی ملاج بخشت پر بکالیوں کو ملتے تھے۔

بھر خال اس زمانہ میں یورپ اور خصوصاً اپنیں اور پر بنگال میں علم ہوتے ہندسہ، جغرافیہ اور بھری سفر کے معلومات جو کچھ تھے وہ عربی تصنیفات، یا ان کے تراجم کے ذریعے تھے، جیسا کہ اس عمد کی تاریخوں میں مور ختن نے بیان کیا ہے، اور اس طرح کو لمبیں اپنے نظریہ کی ترتیب و تکمیل میں تمامتر عربوں ہی کی تحقیقات سے مستفید ہوا۔

(معارف مارچ واپر میل ۱۹۳۹ء)

سَفِرْجَتْرَا

# سفر گجرات کی چند ریا دگاریں

جولائی 1933ء میں بڑودہ کی مجلس سیرت کے سلسلہ میں مجھے گجرات کے سفر کا اتفاق ہوا، اس خطہ کو ہندوستان کے تمام دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں چند خصوصیتیں حاصل ہیں، اول یہ کہ عرب اور ہندوستان کے باہمی تعلقات کا آغاز اسی سر زمین سے ہوا، دوسرے یہ کہ عرب سے جو علماء دریا کے راستے سے ہندوستان میں وارد ہوتے تھے، وہ پہلے یہیں اترتے تھے، موقع ملتا تو آگے بڑھتے ورنہ یہیں سے لوٹ جاتے تھے، ہندوستان سے جو علماء عرب جانا چاہتے تھے، وہ اسی راستے سے سفر کرتے تھے اس صوبہ کے سیکڑوں دیہات حر میں محترمین کے مصارف کیلئے وقف تھے، دوسرے ملکوں سے جو نادر اور بطور تخفہ چیزیں یہاں آتی تھیں وہ پہلے یہیں پہنچتی تھیں، حج کیلئے ہر سال ہزاروں علماء امراء اور عام مسلمان اسی راہ سے منزل مقصد کی

طرف روانہ ہوتے تھے۔

اخیر زمانہ میں سلطان عالمگیر اور سیوا بی کی سیاسی کنٹکٹ کا میدان جنگ بی بی خلیفہ تھا اور اس لیے سلطانی لشکر کا پڑا، اکثر یہاں رہتا تھا اور اس تعلق سے یہ صوبہ بھی پورے ہندوستان کا دارالسلطنت من جاتا تھا، اور ہر قسم کے اہل کمال اور حرب کا رخ کرتے تھے،

دکن و گجرات کے علاقے میں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے اور جو ہے وہ ہندوؤں کی کثرت، زور قوت اور سیاہ تمن میں غرق ہے اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ہندوستان کے علمی و مذہبی و سیاسی مرکز یعنی ہندوستان خاص سے وہ بہت دور ہے، اس لئے یہاں کے دیسا توں اور قصبوں میں مسلمانوں کی حالت قبل رحم تھی، سلطان عالمگیر کی دوری نگاہوں سے ان وجوہ و اسباب کا نتیجہ چھپا نہ تھا، سلطان نے اس پورے علاقے میں علماء صوفیہ اور مذہبی معلمین کی قطار در قطار آباد کر دی، موزون خطیب امام اور ملا (جو جانور شرعی طور سے ذبح کرتے تھے) موروثی مقرر کر دیئے اور ان سب کیلئے وظائف اور سرکاری او قاف معین کئے جو آج تک ان کے اخلاف کے قبضہ میں ہیں، وہاں کے دیسا توں میں آج تک ان ہی ملاؤں کی اولاد اپنے اس فرض کو ادا کر رہی ہے، یہاں تک کہ کوئی ہندو بھی اگر جانور ذبح کرنا چاہتا ہے تو یہ خون اسی کے ہاتھوں سے کراتا ہے، یہاں اب بھی ایسے سیکڑوں ہزاروں شریف خاندان آباد ہیں جو انہی مذہبی فرائض کیلئے یہاں آباد کئے گئے تھے اور ان کو اس کیلئے سرکاری او قاف دیئے گئے تھے، جن پر وہ آج تک قابض ہیں، اور انہی کے بدولت آج اگریزی سرکار میں بھی ان کو عزت اور وقار حاصل ہے، اور مسلمانوں کی کچھ ممتاز صورتیں وہاں نظر آتی ہیں۔

### بھرط و بیچ

جس کے کنارے دریائے نہداب ابھتا ہے اور جو آگے چل کر بحیرہ عرب میں

مل جاتا ہے، عربوں کے جنگی و تجارتی آمدورفت کا مرکز تھا، عرب اس کو بروص کتے ہیں ۱۴ھ میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عمد میں جب اسلام کے ملکی فتوحات کا شباب تھا، ان کے جنگی جمازوں ساحل پر آکر لگے تھے، سفر کے اثنائیں جب میں بھڑوچ پہنچا اور نبدا کے کنارے آکر کھڑا ہوا، تو تخلیل کی آنکھوں نے تیرہ سو چھتیں برس پلے کی تصویریں نگاہوں کے سامنے کر دیں اور گوئیں شاعر نہیں، تاہم جذبات کے تلاطم نے موزوں ترانہ کی شکل اختیار کر لی،

گرچہ تو ہندی ہے لیکن زادہ بحر عرب  
 تیرے دروازہ پر ٹھہرا تھا، مر اپلا جماز  
 ہند میں اسلام کی تاریخ سے آگاہ ہے  
 تیرے ساحل کا ہر آکڈرہ ہے اس کی یادگار  
 چار صدیوں تک رہا، اسلام کا دمساز تو  
 تیرے ساحل پر جب اڑا تھا عرب کا کاروں  
 اس سمندر کے گلے کی شہ رگ اعظم ہے تو  
 اس تن آئی میں تیرا خون دوزانا ہے کام  
 عمد مااضی کی تیری عزت رہے باقی سدا  
 ذرہ ذرہ پر تو خورشید ذری لولاک ہے  
 مطلع انوار ذری النورینؓ ہے تیری جیں،  
 تیری سو جیں کہہ انسانوں کی سطریں بن گئیں  
 یہ ترانا تال سر اور زیر دم سے خالی ہے اسلئے اہل وجود سماع اس پر کان نہ دھریں

### بھڑوچ کا ایک پر انا خاندان

بھڑوچ میں عمد عالمگیری کی یادگار ایک خاندان ہے جو یہاں مند قضا

نبدا! اے نبda! اس جاوہ بحر عرب!  
 جانتا ہے تو مری تاریخ کا پوشیدہ راز  
 تو گذشتہ کاروanon کا نشان راہ ہے  
 رشتہ ہندو عرب مجھ سے ہوا تھا استوار  
 ہند میں اسلام کے انجام کا آغاز تو  
 آج کس کو یاد ہے وہ داستان پاستان  
 تو ہے دریائی پری یا شاہد عالم ہے تو  
 تیرا ہر قطرہ حیات نوکا اک سرشار جام  
 اے بھڑوچ! اے خاتم انگشت رو نبda  
 تو یا یا چشم ظاہر آج تیری خاک ہے  
 یادگار عمد خیر القرآن ہے تیری زمین  
 چشم عبرت کی نگاہیں جب تری جانب اغصیں

پر متکن تھا، اس خاندان کے موجودہ چشم و چراغِ جناب قاضی نور الدین شیرازی صاحب ہیں لب دریا ان کا فضیلت کدھ یادگار زمانہ ہے ایک موروثی کتب خانہ ان کے اسباب زینت میں ہے، افسوس ہے کہ اس وقت قاضی صاحب موجود نہ تھے، اس لئے میں کتب خانہ کی سیرہ کر سکا، مگر میرے ایک عزیز نے ان کا کتب خانہ دیکھا ہے، اس کے حسب ذیل نوادر کا حال مجھ سے بیان کیا،

### اس خاندان کے چند نوادر کتب

(1) شرح مشنوی مولانا روم (?) جلد پچھم آخر میں ہے،

”ذو القعدہ ۱۰۹۰ ہجری میں بستن رائے نے قصہ پھر ہد

سرکار خیر آباد میں تحریر کیا“

(2) حدائق (۱) الحرفی و قائق الشرم مؤلفہ محمد بن عبد الجلیل العری بہ رشید و طوال

آخر میں ہے،

”تم الكتاب بعون الملك الوهاب وحسن توفيقه على يد العبد“

الضعيف محمد الحافظ الھروی، تحریراً فی یوم الا ثین ثانی عشر میں ربيع

الأول ۸۶۲ھ اثنین و سیتین، وثما نمایة الھجریۃ التبوبیۃ بد ارسلان سلطنة شیراز بزمان قید،

(3) المحيط للسرخی جلد ثانی جمع الامام الھمام مولا نارضی اللہین محمد بن

محمد بن محمد سرخسی الحنفی، آخر میں ہے

”كان الفراغ من كتابته في يوم الرابع ذو القعده ۹۰۹ھ كاتب على بن علي بن

(۱) یہ کتاب ایران میں تھی ہے اور ملتی ہے۔

رمضان العبادی الشافعی الازھری

(4) گلستان، متوسط تقطیع اور معوی خط نسخ

مصنف کے اصل نسخے یا قوت مستعصمی نے اور اس نسخے سے تکمیل کی  
جہاً نگیر سید جلال الدین خاری نے اور اس سے سید محمد بن سید زین العابدین بن سید احمد  
حسن رضوی نے ۱۲۱۹ھ میں نقل کیا،

(5) مجازن المرروف جلد ثانی، شرح مشکوٰۃ فارسی، از کتاب الزکوٰۃ تا کتاب البیو ع  
دوسراً تیری اور چوٹھی جلد ہے،

صفحہ اول مطلاب ہے، تقطیع کلان، اپر خواص خاں غلام فرخ سیر بادشاہ غازی  
کی مر ۱۲۲۵ھ ہے، ابو معروف حسین ۱۱۱۲ھ بھی تحریر ہے،  
درس دار الارشاد احمد آبادی میں بھی رہ چکی ہے،

(6) کتاب الخلاصہ (خلاصة الفتاویٰ)، مؤلف ظاہر بن احمد بن عبد الرشید البخاری تا تقصی  
از وسط تقطیع کلان مختلف مسخ شده میریں ہیں، آخر میں ہے،

”تم“ کتاب الخلاصہ من املاء الشیخ محمد بن محمد بن

نصر المدعوا بحافظ البخاری علی ید افقر عبیدہ محمد محمد المدعوا

صفی الدین بن محمد الخطیبی ولد ابن حسین بن علی بن محمد بن

احمد فی دولۃ الملک محمد بن مراد بن سلیمان بن سلیمان

بن بازیزد بن شہور سنہ ثلث بعد الالف ۱۳۰۳ھ نقل میں نسخہ

تاریخها یوم الجمعة العشرين من شهر ربیع الاول سنہ ثلث و تسعین

ستة ماية،

(7) مجمع البحرين ”ترجمہ“ امتحنت پرم ہنس“ از افرین وید، فارسی، شاہ سرمد

نے 1136ء میں سُنگر کت سے ترجمہ کیا، کتاب نذر ام، ولد انت رام، خط فارسی  
نستعلیق 13x تقطیع صفحات 82،

## ہندوستان کی سب سے پرانی مسجدیں

قاضی صاحب کے عزیز خاص جن کو حکومت بر طانیہ سے سردار صاحب کا  
خطاب حاصل ہے، وہ موجود تھے، ان کا دولت کدہ بھی گزشتہ جاہ و جلال کا ہنسہ مرقع تھا،  
موصوف نے اپنے خاندان کے پرانے ہتھیاروں کی سیر کرائی ان کی عمارت کے سلسلہ  
میں ایک چھوٹی معمولی مسجد ہے، جس پر 430 کا یہ کتبہ لگا ہے۔

هذه العمارة القديمة في شهر 430ھ

اس کتبہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ بعد کو لگایا گیا ہے، بہر حال اس کی کوئی  
تاریخی سند اگر موجود ہو تو کما جاسکتا ہے، کہ یہ اس صوبہ کے اسلامی فتوحات سے پہلے  
کی یادگار ہے یا یوں کہنے کہ محمود غزنوی کے حملہ گجرات سے چند سال بعد کی ہے، جو  
بہر حال کوئی مستقل فتح نہ تھی۔

اس کے بعد اس شہر میں اسلام کی ایک اور قدیم یادگار وہاں کی سنگی جامع مسجد  
ہے، اس جامع مسجد کی اصل تعمیر کا کتبہ 458ھ ہے، بعد کو محمد تغلق کے عہد میں  
721ھ میں دروازہ کے اوپر ایک گہنہ کا اضافہ کیا گیا ہے، گہنہ سنگ خارا سے بنایا گیا ہے،  
اور اس پر حسب ذیل کتبہ لگا ہے۔

”در عہد دولت سلطان عالم غیاث الدین والدنیا محمد تغلق هفت و صد و سنت  
ویک“

غالباً ان مسجدوں سے زیادہ پرانی کوئی دوسری مسجد ہندوستان میں نہ ہو گی،

## الکشور کا ایک خاندان

مہدوچ سے قریب ہی ایک پرانا قصبہ الکشور نام ہے جو سورت کے سفر میں بھی بیچ کی ایک منزل تھا، یہاں بھی عمد شاہی کی یادگار ایک خاندان آباد ہے خاندان کے باñی شاہ عبدالعیم صاحب ہیں، حواکبر کے معاصر تھے ۱۰۰۵ھ میں انہوں نے وفات پائی ہے، ان کی خانقاہ و مسجد یہیں واقع ہے، خاندان کے موجودہ جانشین کا نام سید حیدر علی غلام علی انعام دار ہے، موصوف کے پاس خاندان کی پرانی آبرو کی سند پر انکی کتبیں کی ایک الماری ہے، اس میں چند عربی کی اور باتی فارسی تصوف کی کتابیں ہیں، مگر اتنی اردو میں بھی بعض کتابیں نظر آئیں۔

## اس خاندان کے چند نوادر کتب

عربی کتبیوں میں سب سے زیادہ چیز یہاں قدیم طب کی ایک کتاب تقویم الادویہ ہے اس کا سال کتامت ۵۸۸ ہے نہنہ حظ عرب شیرہ ٹرماسے لکھا ہوا ہے اور اب تک اچھی حالت میں ہے۔

## حقہ کی تاریخ

یہاں ایک مجموعہ میں ایک صفحہ پر چند واقعات کی تاریخیں لکھی ہوئی نظر پڑیں، جن میں سب سے اہم ہندوستان میں حقہ کے رواج کی تاریخ ہے، یہ تاریخ "ذشی بیتی" کے الفاظ سے نکالی گئی ہے جس سے ۱۰۲۹ھ نکلتے ہیں، چونکہ یہ چیز تراویت ہی کے راستے سے ہندوستان میں وارد ہوئی ہے، اس لئے عجب نہیں کہ تاریخیں کم تر صحیح ہوں، ۱۱۲۹ جمائیگیر کا عہد ہے،

## ہنائے سورت کی تاریخ

گجرات کا دوسرا مشہور دریا جو بحر عرب سے جا کر ملتا ہے، دریائے تاپتی ہے

اس کے کنارے پر شہر سورت آباد ہے، اور دوسرے کنارے پر راندھیر پلے بحر عرب میں جائیں ڈالے چمازوں کا بہدرگاہ راندھیر تھا، مغلوں کے شروع عمد میں اس کے جائے سورت کی آبادی بڑھی، اور وہ ہندوستان کا سب سے بڑا بہدرگاہ بنا، اس قسمی یادداشت میں اس بہدرگاہ کی آبادی کی تاریخ ۹۳۷ھ نظر آئی، تاریخ کامصرع یہ تھا،  
ع:- باد آباد بہدر سورت

راندھیر جس کو پہلے رانیز کہتے تھے، اسلام کے قدیم فتوحات میں ہے، اس یادداشت میں اس فتحی تاریخ انیک قدیم مسجد کے کتبہ سے حسب ذیل متألی گئی تھی:-

ہنا کرد مسجد جاے کنشت برایوانش انا تھانوشت  
(۵۹۱)

## راندھیر کی پرانی مسجد

چند دوستوں کی دعوت پر راندھیر جانے کا بھی اتفاق ہوا، یہ دولت مند دیندار مسلمان تاجروں کا مسکن ہے، اور دعویٰ کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس قصبه میں جس قدر خوبصورت اور عمدہ اہتمام کے ساتھ مسجدیں دیکھنے میں آئیں، پورے ہندوستان میں کہیں نہیں آئیں، ان مسجدوں میں سے ایک قدیم مسجد پونا دوارہ ہے، یادداشت مذکور میں اس مسجد کی بنائی تاریخ یہ لکھی تھی:-

گر کے پر سد ز توانع ازیں معبد شریف گومسی مسجد اعلیٰ در راب شریف  
۷۹۵ھ

گجراتی ہندوی کے بعض کتابیں بھی اس خاندان کے ذخیرہ میں دکھائی دیں، جن میں سے درج ذیل کتابیں ذکر کے قابل ہیں:-

## لغت عربی و ہندی

عربی اور ہندی یا ہندوستانی کا ایک لغت ملا، جس کے شروع کے چند شریعی ہیں

الله	خدا ہے	کرتار	المخلق	آفریہ سرجن ہار
الدنيا	کمتوں	سنار	الاحمق	نادان گنوار
الجنت	بیشتر	سرگ	المر	دوزخ مرگ
اليوم	روز	دلیں	الشر	موے کہیں
الليل	شب	رات	القول	گفت بات
السبيل	راہ	پاٹ	السبع	ہفت سات
الاظل	نام	ناول	الموضع	دیسہ گاؤں
الراس	سايء	چھانوں	القام	چاییخ ٹھانوں
العين	سر	سیس	العشرين	پیست پیس
الاذن	چشم	آنکھ	اللحیہ	ریش پانکھ
الطعم	گوش	کان	الورق	برگ پان
	خوردان	کھان	الہم	تیر بان

آخری حصہ:-

الفرح	خوشی	blas	القنوط	نامید	زاس
الختدر	ران تہی	جانک	الجسم	تن ہے	اکن
المورد	آب خورا	دوراہما	المر	افسانہ	پواڑا
الکدر	تکڑہ	گدلا	النقیم	نینا	اندلا

مصنف اور تصنیف کا زمانہ مذکور رہے تھا،

اسی قسم کا ایک عربی لغت بر در عزیز سید نجیب اشرف ندوی کی ملکیت میں  
ہے، مگر وہ اس کے علاوہ ہے، اس کے اہم ای شعر یہ ہے،

الله	پرستیدہ	پوجیا	العلوم	دانستہ
الحمد	ستودہ	بچھانیا	المعروف	شناختہ
الرسول	فرستادہ	بھیجا	الواضح	روشن
الآل	وددمان	کنیہ	التقدو	خوش
لوینا				

معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ گجرات میں عرب اور ایرانی کثرت سے آیا کرتے تھے، اس لئے ان کو ہندی سے آشنا کرنے کے لئے اس قسم کے لغت یہاں لکھے گئے ہیں۔

## رسالہ فقیری چہار پیر چودہ خانوادہ

اس رسالہ کا آغاز ان لفظوں سے ہے،

بدانکہ بوجھ توں یہ رسالہ فقیری حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا، زید پوچھے دیے  
و گرنہ توفیری نہ کرے۔

سوال اگر تیرے پوچھئے کہ اول فقیری کیا ہے، آخر فقیری کیا ہے، اور خانہ  
یعنی گھر فقیری کیا ہے، اور کیلی فقیری کیا ہے اور لقدم فقیری کیا ہے۔

اسی قسم کے سوال وجواب پر رسالہ کے اکیس صفحے ختم ہوئے ہیں، تصنیف

و مصنف کے ذکر سے پوری خاموشی ہے۔

## رسالہ فقہ ہندی

یہ فہمی مسئلول کے بیان میں ایک نظم ہے، آغاز کے اشعار یہ ہیں

لائق حمد شانے کے اور نکونہ جان	حمد و شناسب رب کوں خالق کل جمال
جو کچھ بھیجا رب نے سب ہم کیا قبول	علم شریعت تال ولی بھیجا پاک رسول
نبی محمد مصطفیٰ توں ہوں خوشنود	یارب اپنے کرم سوں بخوبی دفع درود
لش چھپو! حباب پر بہت درود سلام	بھیجوان کی آل پر لور اصحاب تمام
فقہ ہندی زبان سے بوجو کر دیتین	کیتے مئے دین کے عبد رکھے امین
عربی ترکی فارسی ہندی یا انگلش	مطلب مئے پوچھنا جو کچھ ہوے زبان

اس کے بعد فقہی ابواب ہیں، اور ان کے تحت میں ہر قسم کے مسائل ہیں، خاتمہ میں تصنیف کا سال 1075ھ بعد اور نگزیب عالمگیر صاف تبلیغ گیا ہے، خاتمہ میں ہے۔

مسائل لوین دین کے کبھی نہ ہوئے فساد	فقہ ہندی کوں مومناں کرو زبان پر یاد
اور گنگ شاہ کے دور میں نہ ہوا تمام	سنہ زرار پچھتر ۱۰۷۵ھ پچھے ماہ رمضان تمام

اس فہمی نظم میں خاص چیز نظم کا وزن ہے، جو عربی فارسی کے جائے ہندی وزن کی پیروی میں ہے، اس نظم سے یہ بھی معلوم ہو گا کہ پرانے لوگوں کے زمانے میں ہندی کس کو کہتے تھے۔

## داستان حضرت ماہ رمضان

اس نظم میں ماہ رمضان کی فضیلتوں کا ذکر ہے، مصنف کا نام بدیع الدین ہے، شروع کے شعر حسب ذیل ہیں۔

کہ دل کی ورق پر تحلیل کر لکھوں  
اسی کو سوقدرت ہے جگ میں عیال  
کرم عاصیاں پر کرنا رہے  
کہ پیدا کیا جن نے الاض و سما  
سرنامہ از نام بجان لکھوں  
بزان کو ہے جو ہر اسی کو شنا  
کریم و رحیم وہ غفار ہے  
زہر چیز اس کی صنعت کا بیان  
آخر میں لکھا ہے۔

مصیبت کے اوپر حکم ہے صبر  
کہ شادی و غم جگ میں جائے چلی  
کہ چھوٹکی جس میں توقع دھرو  
کرو اس کی سب نعمتوں پر شکر  
کہ تا عاقبت تیری ہو دے بھلی  
بدیع الدین تعریف عمل کی کرو

اس نظم کی خصوصیت خاص فارسی آمیز ترکیبیں اور قافیوں میں صرف صوفی ہم رنگی ہے  
عربی الفاظ حکم اور صبر وغیرہ کو اس طرح باندھا ہے، جس طرح ہندی میں پولے جاتے ہیں۔

### و استان قیامت

اس نظم کا شروع ان اشعار سے ہے  
خن ہے مراجوں گل بوستان  
نصیحت کی باتوں سنو و استان  
لبای مسلمان کماتے ہیں سب گائے بحری کا گوشت  
کہ کھاتے ہیں سب گائے بحری کا گوشت  
لباس شریعت کریں تن میں  
بڑی ریش تبعیج خوش پیر ہن  
بڑی دل میں نکیں بھات کے مکروفن

آخری شعر میں اس نظم کا سال 1077ھ (7) بتایا گیا ہے۔

سے ایک ہزار دستوت نے سو  
لکھی یہ حکایت کتابوں کی رو  
ہتلانخ غرہ دریں ماہ پیر  
باتام آن شد، مدد دشمن

## فقہ مبین

یہ نظم فقہ کے مسائل میں ہے آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

بام پاک ریب العالمین سوں	شروع کرتا ہوں فقہ مبین سوں
حق مفسر مقبول مرسل	بھی عقدہ فقہ کے مجھ پر کر حل
سو نیں بجے سودہ کیوں ہوئے مسلمان	مسائل فقہ کے ہیں اصل ایمان

اس کے بعد اپنے تمام 40 مأخذوں کا نظم میں ذکر کیا ہے، پہلے ایمان کے مسائل پھر طهارت، وضو، غسل وغیرہ اس کے آخر میں بدعت کارد اور جوئے کی برائی ہے آخر میں ہے۔

یقین فقہ المبین کوں کرتے فحتوم	عجت دین پناہ آل معصوم
صرد د ہشاد د دوالف ۱۸۲ ہجرہ	بتارخ ہمایوں گشت تمت
اگھیارہ سو میں اسی لوپر دو	سنہ ہجری نبیوں کے بتایو

رسالہ کے آخر میں خاتمہ کی عبارت ہے،  
 نسخہ قوت دیں فقہ المبین تصنیف حضرت شاہ یقین رحمۃ اللہ علیہ  
 اس سے مصنف کا نام شاہ یقین، کتاب کا نام قوت دین المبین، اور تصنیف کا سال 1182 معلوم ہوتا ہے،

## مثنوی کتحذی

کسی رسم شادی کی تعریف و توصیف میں ہے، رسالہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

شاء و ہے درگاہ یزدال وہ خاق سب کا ہے کیا جن و انس  
شا و حمد کے لائق سدا ہے سزا وار اوحدائی کا خدا ہے  
محمد اشرف اولاد آدم حبیب و مسیح و سردار عالم  
شہ آدم محمد سرور دیں کہ ختم الانبیاء ﷺ ہیں رہ بردین  
ہوا جس شان میں لو لاکہ اور دیکھوں محبوب کا رتبہ ہے شاہد

اس کے بعد خلفائے ارلئے رضی اللہ عنہم کی مدح اور امامین علیہما السلام کی تعریف میں  
چند شعر ہیں اس کے بعد نکاح کا قصہ شروع ہوتا ہے۔

شروع کرتا ہوں اب شادی کی تعریف زناکت میں لکھوں میں اس کی توصیف  
میاب کیا سامان اظہر لباس وزیر و لولو و گوہر

اس کے بعد ان سرخیوں کے ماتحت چند باب ہیں، درو صفات الطعام، درو صفات الخل و در  
وصفات بر قنبرات، درو صفات شرگشت، درو صفات نکاح خوانی، در بیان خلوت خاتمه اس  
پر ہوتا ہے۔

خن کو مختصر کاں تک لکھے گا یہ ہے طوار آخر کوں تھکے گا،  
بعزرت عیش بادا سازداری مری یو مشتوی ہے یادگار  
شب بست دوم ازماہ رجب کہ شادی ہو رشیج گشت ہے شب  
سنہ ہجری دراں وقت یوں موجود ہزار ویک صد و سعین ویک یوں

آخر شعر سے تصنیف کا سال ۱۱۹۱ھ معلوم ہوتا ہے، وزن سے حروف کا  
گرنا اس وقت ممیوب نہ ہو گا،

## وفات نامہ حضرت نبی ﷺ

### آغاز

ما اول کروں محمد خدا میں زبان اوپر آپس کی انداء میں  
کیا قدرت سوں ظاہر اپنی قدرت بنا کر جگ دکھایا اپنی حکمت

فتح کا ایک شعر ہے جس میں زبان کا نام دکھنی بتایا گیا ہے۔

مجھے توفیق دے یا رب کہ بولوں بنا ہجر نبی دکھنی میں کھولوں  
تصنیف کا سال معلوم نہیں کہتا تھا کا سال 1251ھ ہے

### قصہ بانو

اس مشنوی میں ایک قصہ بیان ہوا ہے، جس کے متعلق شاعر کا دعویٰ ہے کہ یہ قصہ پلے  
فارسی میں تھا اور اب دکھنی میں اس کو نظم کیا جاتا ہے،

عزیزان روایت سنوں کان وھر اول فارسی تھی یہ دکھنی دگر  
اتھا گودڑہ ایک شر کا جو نام بیشه فتح کا اتحا وان مقام  
بنٹھے ایک دن اس جمعہ مسجد منے اتحے خرد بورگ اوسارے بنے  
دلتے ہیں مسافر نیا آن کر سلام علیک کہ کے پیٹھا مگر  
پوچھئے سب نے ان کو تو کاں سے آیا  
لگا بولنے کوں اوپوں سن کے بات زیخا کا قصہ اونوں کے سنگات  
گلے بولنے بولنے آفرین سب تمام مگر ساری مجلس نے سن کر کلام

فتح شاعر کا تخلص ہے، آخر میں ہے۔

تھے مختصر کر تو اپنی زبان کہاں تک تو لکھے گا اس کا بیان

زمانہ معلوم نہیں، تاہم اس کے بعض الفاظ خاص لحاظ کے قابل ہیں "تھا" اور "تھے" کی جگہ "اتھا" اور "تھے" اور کی جگہ او، تمیں کی جگہ منے، کہاں کی جگہ کاں وہ کی جگہ "او"

### قصہ سوداگر عجم

یہ نعم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت کے بیان میں ہے آغاز اس طرح ہے۔

شاء اور حمد مولا کی صبح و شام کرتا ہوں درود اس مصطفیٰ بور دل و جاں میں میں پڑھتا ہوں  
درود اس حمد کے چیچپون حمایت اُک کھوں نادر عزیز ہیں تم سنوں اسکوں رکھوں دل کو تمیں حاضر

آخر میں تاریخ ہے۔

۱۱۵۶

گیدہ سو اپر چین برس گزرنی تھی حضرت۔ تھمی تصنیف میں آئے خوارق پیر حضرت کے توجہ رحمت اللہ پر کرو تم اے شہزادیں صنانی باطنی ہوئے اسے اے حضرت میران

### خالق باری

ہمارے فارسی و ہندی ادبیات میں خالق باری کی تاریخ ایک معما ہے، اس کی تصنیف کی نسبت امیر خروہ کی طرف مشهور ہے، لیکن محققین کو ہمیشہ سے اس میں شک ہے، تعبیر کی بات ہے کہ اس کا کوئی قدیم نسخہ اب تک نہیں ملا ہے، اس کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ نظر آیا، لیکن وہ بھی قدیم نہیں، رسالہ تاریخ سے گومراہ ہے، مگر اس کے نتیجے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سو اس دور سے زیادہ عمر کا نہیں۔

خالق باری کے پہلے شعر کے دوسرے مصريع میں ایک لفظ ملتا ہے، جو بدایا برا  
پڑھا جاتا ہے،

ع واحد ایک برا کر تار

مسلم یونیورسٹی کے سلسلہ تقنیفات خرو میں جو نسخہ چھپا ہے، اس میں یہ  
لفظ "بد" چھپا گیا ہے، اور اس کے نیچے "ع" لکھا گیا ہے لیکن عربی میں بد اکر تار کے  
معنی میں میرے پندرہ میں نہیں آیا ہے، معلوم نہیں فاضل محشی کے پاس جو عربی اور  
سنکریت دونوں کے فاصل ہیں، اس کی سند کیا ہے، موجودہ نسخہ میں یہ لفظ برا لکھا گیا  
ہے، بلیکن یہ بھی ممکن ہے بعض مطبوعہ نسخوں میں "خدا" چھپا ہے، اور شاید یہ صحیح ہو،  
زیریں ایک نسخہ میں اول تو کچھ اشعار زیادہ معلوم ہوئے، دوسرے یہ کہ افعال  
اور صفات میں قدامت زبان کی جملک دکھائی دی یہ تین شعر نئے معلوم ہوئے، جو  
مطبوعہ نسخہ میں مجھے نہیں ملے۔

چول بہ پرستی خرپورہ کیست جو کامھائی ہے	در خسر پر کی جا کوباپ جن دی جائی ہے
رسخت اندر گوش خود سیما ب دی بورا بھیا	پہپ چیک روئی گالا، جسم تن آمد۔ کیا
وال نمای بسر والیں عکیے اے جوان	غلط بالا۔ لیٹ اوپر اس مجنھاؤ۔ گستران

حسب ذیل شرعاً یشائیک سوسائٹی بھگال کے قلمی نسخے مطبوعہ کے تتمہ نمبر 184  
میں اس طرح چھپا ہے۔

علسہ چینک، شاخ سینگ، کش گر ہے کفش دوز  
گازرو خیاط ہے، دھونی و درزی جامہ دوز

پہلے مصريع کا وزن صحیح نہیں معلوم ہوتا، فاعلان کا دوسر اور تیسرا کن کم

ہے، پیش نظر نخنے میں یہ غلطی نہیں، پھر دوسرے مصرع میں قافیہ دوز بکر ہے جو درست بھی نہیں اور جامعہ دوز تو خیاط، اور درزی کے مقابل کے بعد بے معنی سا ہے، پیش نظر نخنے میں یہ شعر یوں ہے۔

علسہ چھینک و شاخ سینگ و کفش گر ہے کفش دوز  
گاڑو و خیاط ہے دھونی و درزی دیں روز

اس کے بعد ترہ نخنے مطبوعہ نمبر 185 میں ہے

و آنکہ بد بخت ست بھاگ بخت بھاگ فارسی آمد سر د و هند و می گویند راگ

اس کا پہلا مصرع شروع میں غلط ہے دوسرا کن ثوٹتا ہے اور تیسرا کن غائب ہے، چار بار نا عالت کے جائے تین ہی بار ہے، پیش نظر نخنے میں یہ غلطیاں نہیں

و آنکہ بد بخت ست بھاگ بخت در گرس است بھاگ  
فارسی آمد سر د و هند و می گویند راگ

مطبوعہ نخنے میں ہے

ع، طعم سولو، و طعام خورش جو کبی کھانا

پیش نظر نخنے میں طعم کی جگہ "مزہ" ہے، جو زیادہ با مزہ ہے،  
مطبوعہ میں ہے،

در و مردارید موئی جانیے ہم صدف پیپی، سمندر مائے

پیش نظر قلمی نسخہ میں دوسر امصرع یوں ہے

ہم بدرانی گلے پیچھا نے

اس قسم کے اختلافات اور بھی ملیں گے، لیکن اہم چیز ضمیر کا معاملہ ہے، مطبوعہ نسخوں میں لوگوں نے زمانہ مابعد کی ضمیریں کر دی ہیں، مثلاً قدیم ”توں“ کی جگہ ”جدید تو“ بہت پرانی زبان میں متكلّم ”ہوں“ تھا، بواب بھی ہوتا ہے واحد متكلّم کا سینہ ہے، حضرت خواجہ فرید شکر گنج 584 میں پیدا ہوئے اور 670 میں وفات پائی ہے، اور امیر خرو نے جن کی طرف یہ خاق باری منسوب ہے 525ھ میں وفات پائی ہے، غرض دونوں کا زمانہ کچھ ہی آگے پیچھے ہے، حضرت خواجہ شکر گنж کا جو فقرہ میں نے اپنے مضمون ”ہندوستان میں ہندوستانی“ کے عنوان سے شائع کیا ہے، اس میں واحد متكلّم اور واحد مخاطب کی ضمیریں ”ہوں“ اور ”توں“ استعمال ہوئی ہیں، یعنی یہی دونوں ضمیریں پیش نظر نسخہ میں ہیں، مثلاً

خواہم گفت کہوں گا ہوں	خواہم کرد کروں گا ہوں
خواہی آمد آؤے گا توں	خواہی نشت پیٹھے گا توں
خواہم دید دیکھوں گا ہوں	خواہی دید دیکھے گا توں
خواہم داد دھوں گا ہوں	خواہی داد دیوے گا توں
خواہم دو دیہ دوڑے گا ہوں	خواہی دو دیہ دوڑے گا توں

مطبوعہ نسخہ میں ”ہوں“ کی جگہ ”میں“ اور ”توں“ کی جگہ ”من“ ہے، سفر گجرات کی کچھ اور باتیں بھی بیان کرنی تھیں، مگر دیکھتا ہوں کہ قلمی سفر

بھی خاصہ طویل ہو گیا ہے، ہم سفر ناظرین کے مال راہ کا اندازہ ہے، اس لئے قلم کی  
بائگ یہیں روک لی جاتی ہے،

(معارف ستمبر 1936ء)

# تقریب مشرقی پاکستان

(بنگلہ دیش)



## تقریب مشرقی پاکستان

### پاکستان کو ہر چیز نئی بنانی پڑی

یاد ان بوم تاریخ! مشرقی پاکستان میں بوم تاریخ (ہشدار یکل سوسائٹی پاکستان) کا سب سے پہلا اجلاس ہے، اس عظیم الشان تاریخی موقع پر آپ نے صدارت کے فرائض کا بوجھ مجھ پر رکھا ہے اس سے میرے حقیر خدمات پر جو اعتناد آپ نے کیا ہے اس کا میں دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ حقیقت آپ کو معلوم ہے کہ تقسیم سے پہلے جس قدر علمی تحریکات اور علمی ادارے ہندوستان میں قائم تھے وہ کل کے کل بھارت میں رہ گئے۔ جس طرح پاکستان کو اپنے سیاسی اور انتظامی اور حکومتی انتظامات کو از سر نو قائم کرنا پڑا۔ اسی طرح علمی میدان میں بھی اس کو ہر چیز نئے سرے سے قائم کرنی پڑی ہماری مشہور درسگاہیں، ہماری یونیورسٹی، ہمارے کتب خانے اور سارے ادارے ہندوستان میں چھوٹ گئے جواب بھارت کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں اور پاکستان آگریساں پھر ہر چیز نئی بنانی پڑی اور خدا کا شکر ہے کہ پانچ برس میں بہت کچھ انجام پایا ہے اور پارہا ہے مر جگہ درسگاہیں قائم ہو رہی ہیں اور گورنمنٹ اور قوم دونوں اپنی اپنی کوششوں میں مصروف ہیں۔

### مسلمانوں کی قوت تعمیر و تنظیم

پاکستان کے مسلمانوں کو اپنے تمام اداروں اور علمی و تعلیمی مرکزوں کے چھوٹے پرمایوس نہ ہونا چاہیے بلکہ ان کو اس ماحول کا ممکنون ہونا چاہیے کہ اس نے ان کو اپنے نئے ملک میں ہر چیز کو نئے سرے سے بنانے کے سامنے ان کو اپنی قوت تنظیم

اور قابلیت حکومت کے مظاہرہ کرنے کا موقع یہم پہنچایا۔ مسلمان پہنائے عالم میں پھیلے اور ہر جگہ ان کو اپنا ہر کام از سر نو کرنا پڑا۔ وہ دیر انوں میں پہنچے اور ان کو معمورہ عالم بنایا۔ عرب کے ریگستان سے لیکر عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ، اپین اور دوسری طرف ایران، ترکستان، ہر انسان ہندوستان ہر جگہ انہوں نے اپنی تطبیقی و تغیری قوت کا مظاہرہ کیا۔ دیہات بنائے، قبیلے بنائے، شر قمیر کئے اور اس طرح ہر ملک کو جوان کے علم کے پیچے آیا اس کو آباد کیا اور اپنے تمدن اور معاشرت و ثقافت کے مطابق ایسا بنایا جس کی مدح ستائیش تاریخ کی زبان سے آج بھی سنی جاسکتی ہے۔

## ہندوستان کی تعمیر میں مسلمانوں کا حصہ

خود ہندوستان کی مثال آپ کے سامنے ہے، جہاں اسلام کی کوئی چیز نہ تھی۔ مسلمانوں نے یہاں آکر اپنے تمدن و معاشرت و ثقافت کے ہر مظہر کو نمایاں کیا۔ اگر صرف ایک ہی چیز سامنے رکھی جائے اور کوئی اسکار اس کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنائے تو عظیم الشان اور ناقابل انکار نتائج کی امید ہے اور وہ یہ ہے کہ سارے ہندوستان کے شروں، قصبوں اور دیہاتوں پر جو اس وقت آباد ہیں یا جن کا نشان ہندوستان کی اسلامی تاریخوں میں ملتا ہے ایک نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں سے پہنچے ہندوستان کی آباد کاری کیا تھی اور مسلمانوں نے اپنی آمد کے بعد کتنے دیہات، کتنے قبیلے کتنے شر آباد کئے اور ان کو کس طرح علمی و تعلیمی و تمدنی عمارت سے معمور کیا۔ اگر آج ہندوستان کے دو نقشے ہائے جائیں۔ ایک ہندوستان قبل اسلام کا اور ایک ہندوستان بعد از اسلام کا تو معلوم ہو گا کہ اسلام سے پہلے یہ ملک کتنا بخوبی اور غیر آباد علاقے رکھتا تھا اور مسلمانوں نے ان کو کتنا آباد اور معمور کیا۔ سارے صوبوں کو چھوڑ کر اگر صرف دہلی سے عظیم آباد پڑنے تک کا ہی علاقہ آپ دیکھیں اور اس میں دیہاتوں، قصبوں، شروں اور دارالحکومتوں کو گئیں تو معلوم ہو گا کہ مسلمان آباد کاری نے کتنا عظیم الشان کام اس

ملک میں انجام دیا ہے۔ ریلوے لائسون پر جو آبادیاں واقع ہیں ان کے ناموں پر اور تاریخ تغیر پر نظر گزرا لئے تو حقیقت سامنے آجائیگی۔

## دنیا تی تغیر میں مسلمانوں کا حصہ

اسلام کے عمد میں اپین کے مشور شرپلے کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ شمالی افریقہ میں طرابلس سے لیکر مرکش تک رو میوں نے اپنے بعد کیا چھوڑا تھا اور مسلمانوں نے اپنے عمد حکومت میں ان کو کیا نہ دیا۔ یہی حال ہر اس ملک کا ہے جو مسلمانوں کے تصرف میں آیا۔ دھلی جیسا آباد اور معمور دار السلطنت چھوڑ کر اگر پاکستان کو کراچی جیسی جگہ ملی اور کلکتہ جیسے معمور اور ترقی یافتہ شر کو چھوڑ کر اگر پاکستان کو ڈھاکہ جیسا شر ملا تو گویا قدرت کو یہ دکھا ہے کہ مسلمان آج بھی اپنی تغیری و تنظیمی قوتوں کا مظاہرہ کریں اور پاکستان میں نئی دلی اور نیا کلکتہ آباد کر کے دکھائیں اور قوم جو غرباط، قرطبه، اشیاء، بلخی، قیروال، قاس، طرابلس الغرب، قاہرہ، بغداد، اصفہان، نیشاپور، تران، غزنی، دھلی، حیدر آباد، بیجاپور، احمد گر، لکھنؤ، علی گڑھ اور دیوبند، ہاسکتی ہے وہ کراچی ڈھاکہ، چانگام، ملتان، راولپنڈی اور پاکستان کے غیر آباد علاقوں کو از سر نوہا کر اور ہاکر ایک نئی دنیا ہاسکتی ہے اور ہماری ہی ہے۔ ہماری قوم کیلئے یہ کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ ہم خوش ہیں کہ انگریزوں کے تمام تغیر کردہ اور ہٹائے ہوئے کارخانے ادارے، سوسائٹیاں سب بھارت میں رہیں اور پاکستان کو غیر ترقی یافتہ علاقے میں تاکہ وہ اس عمد جدید میں اپنی تغیری و تنظیمی قوتوں کا دوبارہ مظاہرہ کریں اور تاریخ میں اپنی کوششوں سے نئے ابواب کا اضافہ کریں۔

## اسلامی اکثریت کے صوبے اور انگریزی عمد

انگریزی عمد کے ہندوستان پر ایک نظر ڈالنے سے یہ چیز واضح ہو گی کہ

انگریزوں کی تجارتی تنظیمیں، ائمہ نا اور تعلیمی چدو جمد کے مستحق صرف وہ صوبے شر سے جہاں مسلمان اقلیت نہ تھے اور جن صوبوں میں ان کی اکثریت تھی وہ انگریزوں کی نظرالفات سے بیشہ محروم رہے۔ غور کیجئے کہ روائی سنده میں پیدا ہوتی تھی مگر کپڑے بننے کے سارے کارخانے بمبئی کے احاطہ میں تھے۔ جوٹ مشرقی بھاگل کی پیداوار تھی مگر اس کے کارخانے سب کلکتہ میں تھے لہینوالے سپاہی پنجاب میں بھرتی کئے جاتے تھے مگر اسلحہ بنانے کے کارخانے ہندوستان میں تھے۔ یہی حال دوسری چیزوں کا تھا۔ تعلیم کیلئے یونی میں چھ یونی ورثیاں ہیں بلکن سنده، سرحد، مشرقی پاکستان اس سے محروم رہے۔ ڈھاکہ یونی ورثی ضرور انگریز کی یادگار ہے مگر معلوم ہے کہ کلکتہ یونی ورثی نے اپنی شاہنشہ میں یہ خود مختیاری کبھی پسند نہیں کی۔ ایشیاک سوسائٹی کامرز کلکتہ اور بمبئی نے۔ مگر لاہور چھوڑ کر کوئی پاکستانی علاقہ کسی علمی و تعمیری کام کامرز قرار نہ پاسکا۔ سنده کامرزی صوبہ مدتوں بمبئی کی گرفت میں رہ کر اپنی ترقیوں سے محروم رہا اور کتنی کوششوں کے بعد اس کو بمبئی سے آزادی ملی۔

## ہندوستان کی علمی سوسائٹیاں بھارت کی

### ملکیت ملکیت

میں نے ان واقعات کا اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ پاکستان کو اپنی تاریخ آپ سناں ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کے قابل ہے کہ علمی ادارے جیسے اٹھین ہسٹری کالفرنس، اٹھین سائنس کامگریں اور دوسرے علمی ادارے اور تجربہ گاہیں اور تحقیقی مرکز جو پہلے قبل از تفہیم ہند میں شے وہ بھی بھارت کی ملکیت قرار پائیں اور پاکستان کو اس سلسلہ میں بھی اپنی ذاتی کوششوں پر بھروسہ کرنا پڑا۔ تین سال

ہوئے کہ اپنی میں پاکستان ہماریکل سوسائٹی کی بجا درمکھی تھی اس کے مانے میں جن بورگوں نے حصہ لیا وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ آنر علیل فضل الرحمن اور ڈاکٹر محمود حسین خاں کے نام اس سلسلہ میں خاص ذکر کے قابل ہیں، نیز اس سوسائٹی کے جزو سیکریٹری ڈاکٹر سید معین الحق کی محنت اور جدوجہد بھی شکریہ کی مستحق ہے، سوسائٹی کی طرف سے کل پاکستان ہسٹری کا نظرنس کا پہلا اجلاس کراچی میں ہوتے ہے سو سالی سے ہوا دوسرا اجلاس لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کی سرپرستی میں ہوا اور تیسرا آج ڈھاکہ میں ڈھاکہ یونیورسٹی کی دعوت پر ہو رہا ہے ان اجلاسوں میں جو مظہاریں پڑھے گئے باوجود دلوں کے عدم اطمینان اور کتابوں کی کمیابی کے وہ ہر طرح حوصلہ افزاییں۔

### ہمارے کام

اس وقت ہماری سب سے بڑی کمی کتب خانوں کا نہ ہونا اور کتابوں کی نایابی ہے، پرانی کتابیں بازاروں سے ناپید ہیں، اور جو ملتی ہیں، تجارتی قواعد اور آمد و رفت کی مشکلات ان کے حصول میں حائل ہیں، ضرورت ہے کہ بھارت اور پاکستان کی تجارتی وزارتوں میں علمی و تعلیمی اشیاء کی آمد و رفت میں سوتیں پیدا کریں، اور ان کو روائی اور جوٹ اور غله کی قسم کی اشیاء سے ممتاز کریں کہ اپنی میں اگرچہ اسیبلی لا بہریری۔ نیشنل لابہریری اور لیاقت لابہریری کا کام شروع ہو چکا ہے۔ مگر وہ منزل ابھی دور ہے جب وہ تحقیقاتی اغراض کیلئے کار آمد ہو سکیں۔

ای طرح ہمارے آثار تدبیہ (آر کیا لو جی) کے ادارے بھی بالکل نئے ہیں گو کہ نیکسلا، منجوداڑو وغیرہ کے نادر نمونے موجود ہیں۔ تاہم نئی اثری تحقیقات کیلئے ابھی بڑا ہمیں ان کھلا ہے۔ عربوں کے سندھ پر حکومت کے اثرات ابھی تک ریگستان کے ڈھیر میں پھیپھے ہیں۔ منصورہ اور بیضاء کی قیمتیں ہو سکی، حتیٰ کہ داہل کی

مشورہ درگاہ کی تلاش میں بھی کامیاب نہیں ہوئی۔ اور عرب اور دیسی حکمرانوں کے سکون کی بھی ابھی تک دریافت نہیں ہوئی۔ امید ہے کہ ہمارا ملکہ تحقیقات اٹری اپنی کوششوں کو ادھر متوجہ کرے گا، ابھی ان سطروں کے لکھتے وقت معلوم ہوا کہ پشاور کے عجائب خانہ میں عربی کا سب سے پرانا کتبہ موجود ہے جس کی تاریخ سن 226 ہتائی گئی ہے، اسی ہفتے کے اخباروں میں مشرقی پاکستان میں ایک عربی کتبہ کی برآمدگی کی اطلاع ملی جو علاؤ الدین خلیجی کے عد کا ہے اور اس وقت وہ تحصیل کی پھری میں امانت ہے، ڈھاکہ کے نام کے ساتھ مولانا حکیم جیب الرحمن مر حوم کی یاد آئی جو مشرقی پاکستان کے مشورہ مورخ تھے اور جن کو سکون کا بھی شوق تھا بنو امیہ سے لیکر سلاطین ہند تک کے سکے ان کے پاس تھے جن کو انوں نے ڈھاکہ کے آثار قدیمہ کو دے دیا تھا، سندھ کے سو مری اور سہ بادشاہوں کے کچھ سکے راجپوتانہ میں ملے اور وہ جیپور کے عجائب خانہ میں ہیں، جن سے بادشاہوں کے بعض ناموں کی صحیح ہوتی ہے اور ان کی ترتیب میں مدد ملتی ہے۔

## مسلمانوں کا فن تاریخ

ماہی تغیری و ثقافتی اشیاء کی طرح علوم و فنون کی اشاعت بھی مسلمانوں میں بنو امیہ کے زمانہ سے شروع ہوئی، طب کی کتابیں حضرت عمر بن عبد العزیز کے عد سے یعنی ہجرت سے سورس کے بعد ترجمہ ہونے لگیں، مگر تاریخ کافن وہ ہے جس کا آغاز حضرت امیر معاویہ کے زمانہ سے شروع ہو گیا۔ انوں نے یمن سے اور دوسرا سے شریوں سے علماء کو بلوا کر واقعات کی ترتیب کا کام شروع کرایا، علم حدیث و سیر کی کتابیں حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم سے کتابوں کی صورتوں میں منتقل ہونا شروع ہوئیں، جس طرح فن حدیث پادا شتوں، رسالوں اور مجموعہ شیوه سے شروع ہو کر صحاح و مساید و سنن کی حد تک تیری صدی میں پہنچیں، اسی طرح تاریخ بھی پہلے مخصوص

واقعات اور مخصوص قبائل کے احوال سے شروع ہو کر صحیم مجلدات تاریخ کی صورت میں آئیں انندیم کی فہرست سے ظاہر ہو گا کہ ابتدائی تاریخ کی کتابیں صرف چند خاص خاص واقعات کی تدوین تک محدود ہوتی تھیں۔ مثلاً قبیلہ طسم جدیں، مناقب قریش، واقعہ حربہ، مشهد و مقتل کربلاء، فتوح شام، فتوح مصر، ابو مختلف، انقیبیہ ازدی، کلبی، واقدی وغیرہ ابتدائی سور نہیں ہیں۔ اس کے بعد انکن سعد، محمد بن اسما عیل، خواری وغیرہ کا عہد آتا ہے، اس کے بعد حمزہ اصفہانی یعقوبی، بلاذری وغیرہ کا دور شروع ہوتا ہے، پھر جس طرح محمد شین میں خواری پلے شخص ہیں جنہوں نے تمام مشائخ وار اور شر وار حدیثوں کو ایک جامع صحیح میں جمع کر کے پوری اسلامی روایات کے ذخیرہ کو یکجا کر دیا۔ اسی طرح طبری پہلا شخص سن (302ھ) ہے جس نے تمام متفرق تاریخی رسائل و حادث کو یکجا کر دیا۔ اور ساتھ ہی کوشش کی کہ ایرانی روی و اسرائیلی تاریخوں کو بھی جو اسلام سے پلے تھیں اسلام کے ظہور کی تاریخ سے پلے جمع کر دے تاکہ وہ پوری دنیا کی تاریخ ہو سکے، طبری چوں کہ محدثانہ مذاق کے آدمی تھے اسلئے ان کی کوششیں صرف جمع روایات تک محدود تھی لیکن مسعودی 340ھ حکیمانہ مراجع کا آدمی تھا، اس لئے اس کی تصنیفات کی جامعیت میں علمی اغراض و مقاصد بھی مد نظر رہیں گو اس کی اصلی کتاب انبیاء الزمان ملتی نہیں تاہم مروج الزہب بھی مختلف حیثیتوں سے عربی میں دنیا کی پہلی جامع تاریخ ہے، اس کی کتاب التنبیہ والاشراف شرقائے خاندان کی سیاسی تاریخ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کن کن عرب خاندانوں نے اسلامی حکومتوں کے منانے اور چلانے کے کیا کیا کام انجام دیئے مسعودی کے زمانہ تک یعنی ساڑھے تین سو صدیوں میں جو تاریخیں لکھی گئیں تھیں ان کا اندازہ اس سے ہو گا کہ مسعودی نے اپنی تاریخ مروج الزہب کے آغاز میں اپنی تاریخ کے اٹھائی تاریخی مأخذوں کا خوالہ دیا ہے ذسویں صدی کے آغاز میں حاجی خلیفہ چلپی نے اپنی فہرست

کتب میں تاریخ کے بچپے کتابوں کے جو نام لکھے ہیں ان کی تعداد بارہ سو کے قریب ہے،  
جو عربی و فارسی و ترکی زبانوں میں لکھی گئی ہیں حالانکہ یہ فہرست ناتمام ہے۔

## فلسفہ تاریخ

فلسفہ تاریخ کے سلسلہ میں اگرچہ ان خلدون کا نام سب سے روشن ہے مگر یہ  
بھائنا کہ ان خلدون نے بغیر کسی دھنڈ لئے کے خود یک بیک یہ روشنی دفعہ پیدا کر دی  
تدریجی ارتقاء کے اصول کے خلاف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصول محدثین پہلے  
پیدا کر کچھے تھے ان خلدون کا کام یہ ہے کہ وہ ان اصولوں کو تاریخ میں رانج کرنے کی  
کوشش کی البتہ اس کی ایجاد اتفاقی نصوصیات اور سیاسی عصیات اور اقتصادی مسائل کا  
تاریخ سے جوڑ پیدا کرنا ہے اور اس میں بھی اولیست کا سراغ اس سے چار صدیاں پہلے ملتی  
ہیں، چنانچہ ان مکتووبیتیں اپنی تاریخ کا تجربہ الامم نام رکھنا اس واقعہ کی غمازی کرتا  
ہے۔

## شفافیت تاریخ

شفافیت تاریخ کے باب میں مقریزی کی کتاب المخطوط والاثار سب سے اہم چیز  
ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جس پر داڑ پر اس نے یہ مصر کی تاریخ لکھی اس طرز پر اگر ہر  
اسلامی ملک کی تاریخ لکھی جاتی تو ہمارے پاس معلومات کا بہادر سامان ہوتا۔

## مسلمان جس ملک میں پہنچے اس کو منور کر دیا

مسلمانوں نے فن تاریخ میں جو ترقیاں کیں انکی ایک بین مثال یہ ہے کہ جس  
ملک میں بھی پہنچے اس کو تاریخ کی روشنی میں اجاگر کر دیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام  
سے پہلے اس ملک میں اندھیرا پھیلا تھا مسلمانوں نے اگر مشغول جگادی عرب ایران،

مصر و شام و عراق مغرب، اچین، ہندوستان، ہر جگہ ان کے دم قدم سے تاریخ کی روشنی ہے ورنہ اسلام سے پہلے کا سرمایہ افسانوں کماںیوں اور دیومالا کے سوا اور کچھ نہ تھا

## عرب اور عجم مور خین کا فرق

عرب اور عجم مور خین کی ذہنی ساخت میں پا تو فرق ہے یادوں کو مولوں کی نسلی خصوصیات کا تقاضا ہے کہ عرب مورخ صرف شاہی درباروں میں مقید نہیں رہتا بلکہ وہ بازاروں میں بھی آتا ہے عوام سے بھی ملتا ہے علماء کی محفلوں میں بھی جاتا ہے مشائخ کے حلقوں میں بھی جاتا ہے، حکما اور فلاسفہ سے بھی اس کی علیک سلیک ہوتی ہے مگر عجمی مورخ شاہانہ قصر و ایوان اور شاہانہ درباروں سے بہت کم باہر نکلتا ہے، اور دوسرے اضاف انسان سے اس کی ملاقات اسی وقت ہوتی ہے جب وہ شاہانہ درباروں تک پہنچتا ہے، اسی لئے عربی تاریخوں میں جو وسعت ہے وہ فارسی تاریخوں میں نہیں، اور اسی کا اثر ہے کہ ہندوستان میں مسلمان مورخوں کی تاریخ سلاطین کے حدود حکومت کی زنجیروں میں جکڑی ہے، البتہ شعراء نے اپنی بزم اللگ سجائی تھی، مگر مشاعروں کی واہ واہ کے سوا وہاں کچھ اور نہیں سنائی دیتا اسی طرح مشائخ نے بھی اپنے حلقوں میں شیع نورانی جلائی مگر وہاں بھی حال و قال اور کرامات کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا۔ انتباہ یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں علماء، فقہاء، محدثین، مفسرین حکماء اور اطباء اور صنعتیں کے تذکروں سے ساری بیاض میں خالی ہیں، اگر ایک میر غلام علی آزاد کی شخصیت آخر میں ظاہرنہ ہوتی۔ تو وہ اہل کمال جو درباروں تک پہنچ نہ سکے تھے ان کا نام و نشان بھی ہم نہیں سن سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جمال تک دوسرے ملکوں کے علماء اور اہل کمال کے احوال کی واقعیت کا سوال ہے ہم ہندوستان کے اہل کمال سے زیادہ معلومات رکھتے ہیں آخر میں ہمارے عمد کے مولانا سید عبد الحنفی صاحب نے بارہ جلدیوں میں ہندوستان کے علمائے اسلام کی تاریخ بڑی محنت سے مرتب کی، جس کی

اشاعت حیدر آباد کی قدردانی پر موقف تھی دو جلدیں اس کی چھپ گئیں باتی کیلے دنیا  
اب منتظر ہے گی اور ڈر ہے کہ قلمی نسخہ دست بردازناہ سے گمنہ ہو جائے کیا ہم یہ امید  
کریں کہ پاکستان کی قدردانی ان کے تمام کاموں کو پورا کر گی جن کو ہندوستان کی اسلامی  
ریاستوں نے ناتمام چھوڑا ہے۔

## مشرقی پاکستان کی تاریخ

مشرقی پاکستان کی گو بعض اسلامی یادگاریں جو پنڈوہ، لکھنؤی اور مرشد آباد میں  
واقع ہیں وہ مغربی ہنگال میں شامل ہو گئی ہیں پھر بھی مشرقی پاکستان کی یادگاروں کی اہمیت  
اب بھی کم نہیں ہوئی ہے۔ خود مشرقی ہنگال کی تاریخ بہت کچھ تجھیل کی محتاج ہے  
ریاض السلاطین کے مختصر سے اور متاخر بیان سے عقدے نہیں کھلتے، ہنگال کی خود مختار  
اسلامی سلطنت کا حال بہت کم معلوم ہے۔ قطب الدین نسروالی کی کتاب تاریخ امراء  
بلدة الحرام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہنگال کی اس اسلامی سلطنت کے بھری تعلقات جماز سے  
والستہ تھے اور وہاں ہنگال کی اس اسلامی سلطنت کی طرف سے ایک نہ ہی علمی درسگاہ  
قام تھی، دوسری طرف اس سلطنت کا بھری تعلق مملکت ایران کے ساتھ قائم تھا  
جس کا مشور عالم واقعہ حافظ شیرازی کی ہنگال آنے کی دعوت ہے۔ جس کے جواب میں  
حافظ نے وہ مشور غزل لکھ کر پھیجی جس کا بہ زبان زد عالم شعر ہر شخص کو معلوم ہے۔

شکر شکن شوندھ مہ طوطیان ہند زین قذ پاری کہ بہ ہنگالہ می رو  
مشور سیاح ان بطور بھی ہنگال کی سیر سے مشرف ہوا۔ اس نے لکھا ہے کہ  
ترکستانی ایرانی سیاح ہنگال کو "جہنم پرا نعمت" کہتے ہیں۔ غالباً ان کا اس کو جہنم کہنا موسم  
کی سختی کے سبب ہو گا، مگر بہر حال "پرا نعمت" تو تھا اور محمد نہ کہ ہنگال کی یہ نعمت اب  
بھی قائم ہیں اور ان میں بہت کچھ اضافہ ہوا ہے۔ آٹھویں صدی کے عرب جمازوں  
عرب ساطلوں سے چانگام آیا کرتے تھے اور اس کو وہ صاد گام کہتے تھے۔ ان بطور نے

اس کو سد گاؤں لکھا ہے۔ عجب نہیں کہ اس کا ہندی نام ست گاؤں اور سرت گرام ہو گا۔ گرام ہندی میں گاؤں کو کہتے تھے اور گاؤں گرام ہی کی شکل ہے جو اکثر ہندوستانی آبادیوں کے نام کا جز ہے، جیسے گرام، لگرام، بگرام، آج کل انگریزی لب والجہ نے اس کو چنانچہ بنادیا ہے اور افسوس ہوتا ہے جب عربی اخبارات میں اسی غلط انگریزی تلفظ کی تقلید کی جاتی ہے۔ عربی جغرافیہ میں سامت کا نام سلاہط ملتا ہے۔

مشرقی پاکستان میں علام، فضلا اور اہل کمال کی بڑی تعداد گزری ہے، مگر افسوس ہے کہ ہندوستان کے اہل علم کے حلقہ تک ان کے نام نہیں پہنچ، قاضی رکن الدین سرفرازی کا ایک کارنامہ ملتا ہے جن کے فیض سے ایک ہندو گوگی نے جامع مسجد لکھنؤی میں اسلام قبول کیا اور اس نے ان کی خاطر کتاب امرت کند کا ترجمہ فارسی میں کیا جس کا نام باء الحیات ہے اور اب اس کا ترجمہ اردو میں بھی ہو چکا ہے، مگر افسوس ہے کہ ان قاضی صاحب اور اس مترجم کے حال سے ہم ناواقف ہیں، ہم کو یہ بھی معلوم ہے صوبہ بہار کے مشہور صوفی عالم و حکیم و محقق شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اپنی تعلیم کا زمانہ بھاگل میں بسر کیا اور یہیں اپنی تعلیم کی تحریک کی، مگر افسوس ہے کہ ان کے ان نامور اساتذہ کے حالات سے ہم ناواقف ہیں جن کے دامن میں ایسا نامور فاضل عمد پیدا ہوا، انہی ایک عزیز کے خط سے معلوم ہوا کہ لکھنؤی کے سلطان بغا خان کا درباری فارسی شاعر مس دیر اتنا مقبول تھا کہ امیر خرو نے اس کی مدح میں قصیدہ لکھا۔ بہت سے ایسے بامکال علم اور مشائخ روزگار ہیں جو مغربی پاکستان یاد ہلی سے بھاگ آئے اور یہیں رہ بس گئے جن میں سے شیخ علاء الدین لاہوری بھاگی پنڈوی التوفی سن 800 اور ان کے بیٹے شیخ نور الدین پنڈوی بھاگی التوفی سن 813 مشہور ہیں، شیخ نور الدین پنڈوی بھاگی نے اپنے مکتب میں ایک فارسی شعر کا ترجمہ کیا ہے فارسی شعر یہ ہے۔

ہمدرشیب بزارِ مشمود کر صیانزادہ بونے  
رین سب آقی سویا بسخ تلدا نخانا نون  
پیو پیو چکے یا تری مجھ سہاگن نافون

مجھے معلوم نہیں اس میں بھگالی زبان کا اثر کس تدریس ہے۔

### بھگالی زبان اور خط کا اسلامیت سے بعد

بھگالی زبان پرے خیری زبان نہ تھی یہ بھگال کے مسلمان سلاطین ہیں، جنکی کوششوں نے بھگالی زبان کو تحریری زبان بنایا، اور اس میں بعض کتابیں لکھوائیں اور ترجمہ کرائیں، بھگالی ہندو مورخ مشر لانے اپنی کتاب پروموشن آف لرنگ انڈر مسلم روں میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، مگر مسلمان اس زبان کو عربی رسم الخط میں لکھتے تھے اور اس قسم کی پرانی قلمی کتابیں اب بھی موجود ہیں اگر یہ عمل انگریزوں کے عمد انقلاب میں بھی جاری رہتا تو آج اس صوبہ میں اسی طرح بھگالی اردو یوں جاتی جس طرح ہم گجراتی اردو اور دکھنی اردو اور بہاری اردو یوں لئے سنتے ہیں، مگر انگریزی عمد میں ہندو بھگالیوں نے انگریزی تعلیم میں سبقت کی اور بھگالی زبان کو جدید اصلاحات اور حماورات سے سنوار اور اوسکار سم الخط ہندی کے قریب بنایا اور نئے الفاظ خالص منسکرت مأخذ سے لینے لگے اور عربی و فارسی لفظوں کو زبان سے خارج کیا تو وہ ایک نئی زبان بن گئی جو خالص ہندو ہنگیت سے معمور ہو گئی جو منسکرت الفاظ ہندو دیو ہتاوں اور دیو ما لاوں اور خیالات سے لبریز ہو گئی، اور اسلامیت سے خالی ہو گئی۔ جب مسلمانوں نے نئی تعلیم حاصل کی تو یہی منسکرتی بھگالی زبان انہوں نے سیکھی اور پڑھی اور وہی فصاحت و انشا پردازی کا معیار بن گئی لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھگال کے مسلمان باقی ہندوستان کے مسلمانوں سے کث گئے اور ان تحریکات و اصلاحات سے بے گانہ اور ناداواقف رہ گئے جو سارے ہندوستان کے مسلمانوں میں پھیل رہے تھے اور ان کو ملت واحدہ ہمارے تھے، اور افسوس ہے کہ یہ صورت حال اب تک قائم ہے۔ اور آج پاکستان کی تعمیر میں یہ اجنبیت اور بیگانگی خارج ہو رہی ہے۔ میرے خیال میں بھگالی مسلمانوں کو سارے ملک کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ملت بننے کیلئے ضروری ہے کہ سارے پاکستان کا ایک ہی خط ہو اور وہ عربی رسم الخط شنج ہے۔ جس میں پشتو، سندھی اور پنجابی لکھی جاتی

ہے اس کا اثر یہ ہے کہ ان صوبائی زبانوں کے نہ جانئے والے عربی رسم الخط اور مشترک عربی و فارسی الفاظ کی بنا پر عبارت کا حاصل مطلب بآسانی سمجھ لیتے ہیں۔ اگر بھال کے مسلمان بھالی خط بدل لیں تو وہ سارے پاکستان کو ایک بنا سکتے ہیں اور قرآن کیلئے عربی رسم خط اور زبان کیلئے بھالی رسم خط سیکھنے میں پچھے دہری محنت سے بچ جائیں گے۔

## اسلامی بھال میں علماء کا حصہ

اس وقت مشرقی پاکستان میں ہندوستانی مسلمانوں کی اصلاحی تحریکات سے جو واقفیت اور آگاہی ہے اس کا ذریعہ عربی درسگاہوں کے علماء اور طلبہ ہیں جو ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں ہندوستان کی عربی درسگاہوں میں جایا کرتے تھے اور بہت کچھ وہاں سے لیکر اپنے وطن کو واپس آتے تھے اور ان کو اپنے وطن میں پھیلاتے تھے۔ لیکن ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ ہو گرروہ انگریزی درسگاہوں کی تعداد سے بہت کم تھی۔ جوان تحریکات سے واقفیت کو کوئی ذریعہ نہیں رکھتے تھے، کیونکہ وہ اردو سے ناواقف تھے اور ہیں اور انگریزی اس ذخیرہ سے خالی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کی تحریکات، مولانا اسماعیل شہید کی دعوت، سر سید اور علی گڑھ کی دعوت۔ ہندوستانی مسلمان مفکرین و مصنفوں کے خیالات و افکار سے تاثر مشرقی پاکستان میں اسی لئے بہت کم ہے، اور اسلام کا یہ سب سے آباد خطہ اسلامی مرکزوں سے بالکل میکاہنا ہوا ہے اور بھال کی دنیا کے اندر جس کی زمین و آسمان پر ہندو تمثیل اور منکرتی تصورات چھائے ہوئے ہیں، وہ گھر کر رہ گیا اور ساری اسلامی دنیا سے کٹا ہوا ہے۔

## مشرقی پاکستان میں ملت واحدہ کا تصور

پاکستان کی دعوت اس صورت حال کی اصلاح کی دعوت ہے، یہ مسلمان قوموں اور ملکوں کو ایک ساتھ ملا کر واحد ملت کی تکمیل کرنا چاہتا ہے، اس لئے ضرورت

یہ ہے کہ اس دعوت کی تکمیل کے لئے ہم اپنی تاریخ پر اصلاحی نظر ڈالیں اور اس کو اس صورت میں ترتیب دیں جس سے پاکستان کی دعوت کا مقصد پورا ہو۔

## پاکستان کے مورخوں کا فرض

حضرات! پاکستان کے قیام کے بعد ملت کا ہر صاحب فن اپنی اپنی قوت و استعداد کے مطابق پاکستان کی تغیری میں مصروف ہے، تجارتی، صنعتی، زراعتی، تعمیری، اولی، عملی، سائنسی، فلسفی ہر گوشہ، علم و فن کے واقف کار پاکستان کی تغیری میں مصروف ہیں، دوسرے اہل فن کے ساتھ ساتھ یہاں کے مورخوں پر بھی بہت سے فرانٹس عائد ہوتے ہیں تاریخ نویسی کے اس طرز کو بدلتا ہے جس کو انگریزی سیاست نے یہاں رانج کیا، جس نے ملک میں تفریق کا شیب دیا اور جائے اس ملک کی بنددی اور رفتہ کے انگریزی راج کے جاہ و جلال اور شان و شکوه اور عدل و انصاف اور حلال امن و امان کی تشریف کا کام اس فن سے لیا گیا، جس سے ملک خود اہل ملک کی آنکھوں میں ذلیل اور سات سندر پار کے ملک ان کی نگاہوں میں معزز نہیا گیا، ملک کے پورے سابق عہد حکومت کو صرف تاریکی اور ظلمت ظاہر کیا گیا تاکہ انگریزی راج کا کارنامہ روشن نظر آئے، اور ان مکاریوں اور فربیبوں پر پردہ پڑ جائے جس کے ذریعہ سے میزونی لوگوں نے اس ملک کی دولت و صنعت و حکومت پر قبضہ پایا۔

## سابق فرائم شاھی کا سرمایہ

ہندو پاکستان کے تاریخی سرمایہ کا ایک بڑا اور اہم حصہ فرائم شاہی ہیں جو اب بھی ہندو مسلم متاز خاندوں اور خانقاہوں میں موجود ہیں سرید مرhom کے زمانہ سے لیکر مولانا شبیلی مرhom کے عمد تک برادر اس کی تجویز مسلم انجو کیشل کانفرنس اور ندوۃ العلماء کے جلوسوں میں منظور ہوئیں اور کبھی ان کی نمائش بھی کی گئی مگر ابھی تک

یہ فراہم ہو کر اور آٹھ ہو کر فوٹو اور تشریح و نقشہ کے ساتھ شائع نہیں ہوئے، اگر یہ فراہم ہو کر اور آٹھ ہو کر شائع ہوں تو ہندو پاکستان کی تاریخ کے بہت سے اہم واقعات منظر عام پر آجائیں۔

## فن تاریخ کی تمجید کے لئے پاکستان اور بھارت کا تعاون

حضرات! ہندو پاکستان کی تقسیم سے گوہبست سے سیاسی و انتظامی و تجارتی مسائل میں انقلابات پیدا ہو گئے ہیں، مگر جماں تک علم و فن کا تعلق ہے وہ قوموں کی تقسیم سے تقسیم نہیں ہوتے وہ پوری دنیا کی ملکیت ہیں اور وہ ایک دوسرے سے طبعاً والستہ ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ تاریخ کے وہ واقعات اور ان کے نتائج کا مجموعہ ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ دونوں ملکوں کے اہل فن باہمی تعاون اور تقاضہ سے اس کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہوں اور تاریخ کو علم کے جائے سیاست کی شاخ نہ بنائیں اور واقعات کی تشریح و تفصیل میں ایسی راہ اختیار کریں جو صداقت سے دور نہ ہو اور دو ملکوں یادوں قوموں کو ایک دوسرے سے قریب کرنے کے جائے دورے سے دور ترنہ کریں۔

آل پاکستان، هش روپ کا نفر نہ کایا اجلاس ہمارے لئے ایک خوش آئند منظر ہے اور ہم کو اس سے ایک شاندار مستقبل کا چڑھ دوڑ سے دکھائی دیتا ہے۔  
(آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين)

سید نلیمان ندوی

27 فروری 1953ء

مفتکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ<sup>۱</sup>  
کی شہرہ آفاق کتاب

# انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

جو اس وقت دنیا کی چھ زبانوں (عربی، انگریزی، فرنسی، اردو، فارسی، ترکی)  
میں پڑھی جا رہی ہے اور جس کے متعلق شبہوں متنشق پر فیصلہ راجحت (کمپین یونیورسٹی) کو  
انسانی دنیا پر مسلمانوں کی کتاب کی درآمد پر پابندی لگانے کا رداخ بوتا تو میری سفارش ہوتی  
کہ اس کتاب کے راطھے برپا بندی عائد کی جائے اس لئے کہ اس کتاب میں صرف غریب تہذیب کی ذمت گئی ہے  
جس کو پڑھ کر غریب دنیا کے نامور فاضل ندن یونیورسٹی میں مڈل ایسٹ میکشن کے مدرسین  
ڈاکٹر حکیم نے ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا کہ اس صدی میں مسلمانوں کی نشأة تائی کی جو  
کوشش بہتر سے بہتر طبقی پر کی گئی ہے یہ اس کامنوز اور تاریخی دستاویز ہے۔

جس کو پڑھ کر عالم اسلام کے ناموں مختار اور شہرو صاحب قلم سید قطب شہید نے ان الفاظ  
میں داد دی کہ اس موضوع پر تمام تدبیح و جدید لٹھپر میں چند بہترین کتابیں جو یہی نظر سے گزری  
ہیں ان میں یہ کتاب غاص مقام رکھتی ہے، یہ کتاب تاریخ فتویٰ کا ایک کالیا بخوبی نو نہ ہے اس سے  
معلوم ہوتا ہے کہ ایک مسلمان گویو پر کے اسلوب نکارش سے بنے نیاز ہو کرتا تاریخی مباحثت پر کس طرح  
قلم اٹھان پا ہے اور کس انداز سے اس کو مرتب کرنا پا ہے؟

جس کو مشرق و سطی کی عظیم تحریک اخوان السلیمان نے اپنے تربیتی کورس میں، اعلیٰ کیا اور  
سودی عرب کی وزارت تبلیغات نے اپنے کالجوں کے نصاب میں جگہ دی۔  
جو مشرق کے لئے ایک تازیانہ اور مغرب کے لئے ایک حلیف ہے۔

ناشر افضل ربی ندوی

مجلس نشریات اسلام اسکے ۲۳ نامم آباد میشن، ناظم آباد کراچی

فون نمبر ۶۸۰۱۸۱۷